غلبۂ اسلام کا طریقۂ کار

ایک اشکال کا جائزہ

اویس پاشا

''اسلام ایک مکمل ضابطۂ حیات ہے جو اپنی اصل کے اعتبار سے غلبہ چاہتا ہے''۔ ماجرا کچھ یوں ہے کہ یہ فقرہ آج ایک خاص تصورِ دین کا عکاس ہے۔ اِس عبارت کو سمجھنے کے لیے گزشتہ صدی کے فکری رجحانات اور ان کے اظہار کے لیے وضع کردہ خاص محاورے اور اصطلاحات کو سامنے رکھنا ضروری ہے۔ نسل انسانی کے اجتماعی شعور نے جب اپنے گزشتہ مشاہدات و تجربات کی روشنی میں اپنی اجتماعیت کو ایک مربوط نظام کی شکل دینے کی کوشش کی اور اِس کی پشت پر افراط و تفریط پر مبنی خالص مادی نقطۂ نظر سے مختلف فکری استدلال بھی قائم کیے، تو بالکل فطری تقاضے کے طور پر مسلمان اہل علم نے دین اسلام کی ''تعبیر'' وقت کے محاورے اور اصطلاح کو سامنے رکھتے ہوئے کی۔ یہ اِسی کا مظہر ہے کہ آج ہم اپنی روزمرہ کی زبان میں اِس جیسے کئی جملے استعمال کرتے ہیں کہ ''اسلام ایک مکمل ضابطۂ حیات ہے، اسلام کا معاشرتی نظام، سماجی نظام، معاشی نظام، سیاسی نظام وغیرہ''۔ اِس تعبیر کے ساتھ جو ایک خاص جذبہ کارفرما تھا اُسے خود شعوری یا احساسِ بیداری کہا جا سکتا ہے۔ چنانچہ مسلمانوں میں یہ احساس عام ہوا کہ نظاموں کی اس کشاکش کے درمیان، جبکہ ہر قوم اپنے افراط و تفریط پر مبنی مادی، خدا بے زار نظامِ حیات کو دوسروں پر مسلط کرنا چاہتی ہے، ہم بھی ایک نظامِ حیات کے دعوے دار ہیں، جس کی ترتیب و تدوین وحی و رسالت کے ہاتھوں ہوئی ہے اور اِسی پر عمل پیرا ہو کر ہم نے اِس دنیا پر کئی صدیوں تک حکومت کی ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ اِسی فکری و نظری لہر کے نتیجے میں تمام بلادِ اسلامیہ میں مختلف تحریکات غلبہ و اقامتِ دین یا اسلام کی نشاۃِ ثانیہ کی آرزو کے ساتھ میدانِ عمل میں اُترتی ہیں۔ یہی وہ موقع ہے کہ جب اُمّتِ مُسلمہ کے فکری قائدین نے اِس قافلہ کو بھولا ہوا سبق یاد دلایا اور اس طرح احیاءِ اسلام کا عمل جاری ہوا۔

ان احیائی تحریکوں میں ایک نئے عنصر کا ظہور ماضی قریب میں ہوا ہے۔ غلبہ و اقامتِ دین کے لیے کام کرنے والی ان تحریکات پر قریب قریب ایک صدی مکمل ہونے کو ہے مگر واقعاتی دنیا میں کوئی قابلِ ذکر تبدیلی رونما نہیں ہوئی، یعنی جو نتائج مطلوب تھے وہ حاصل نہیں ہوئے، اِلّا یہ کہ کچھ صالحین مسلم معاشروں

میں سے ان تحریکات کے عنوان سے مجتمع ہو گئے۔ ان نتائج کے سامنے آنے پر ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ ہم اپنے کام پر ناقدانہ نگاہ ڈالتے اور خامیوں' کوتاہیوں کا ازالہ کرتے ہوئے مستقبل کے لیے خود احتسابی کے ساتھ پرجوش انداز میں سرگرم عمل رہتے۔ مگر بدقسمتی سے انسان جلد باز واقع ہوا ہے۔ نیا منظر نامہ یوں مرتب ہوا کہ ان تحریکات کے کچھ پرجوش اور سرگرم عناصر اپنے گزشتہ سوچ سمجھے' معتدل اور محتاط طریقہ کار کے بارے میں ناامیدی اور شکوک وشبہات کا شکار ہو گئے' جیسا کہ فکری خلا کا کوئی وجود نہیں اور انسان کسی صحیح یا غلط استدلال کے اختیار کرنے پر مجبور ہوتا ہے۔ چنانچہ ان عناصر نے جلد بازی میں ایک نئی راہ اختیار کی جو کہ ہمہ گیر اسلامی تحریک کو نقصان پہنچانے کا باعث بن رہی ہے۔ اس ہنگامی صورت حال سے قبل عالمِ اسلام میں احیائی عمل کی ترتیب کچھ یوں تھی کہ پہلے دعوتِ ایمانِ حقیقی' تزکیۂ نفوس' تعلیم کتاب وحکمت' تربیت وتنظیم' پھر جہاد وقتال۔ جبکہ اس جدید استدلال میں بات تکفیر سے شروع ہوتی ہے اور مجہول الہدف' بے نتیجہ قتال کے گرد گھومتی رہتی ہے۔ اور ظاہر ہے کہ اس بے اصل استدلال کو شرعی نصوص سے بھی ثابت کرنے کی کوشش کی گئی۔ ان صفحات میں ہمارے پیش نظر اسی اشکال کا جائزہ لینا ہے۔

اِس امر میں تو مسلمانوں کے درمیان کوئی اختلاف نہیں کہ چاہے معاملات ہوں یا عبادات' معاشرت ہو یا سیاست و ریاست' عملی رہنمائی کا اصل ماخذ قرآن کریم اور رسول اللہ ﷺ اور خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کی سنت وسیرت ہے۔ جس طرح یہ اصول دیگر دینی تعلیمات کے لیے صحیح ہے اسی طرح غلبہ و اقامتِ دین یا نصبِ امامت وخلافت کے طریقہ کار' لائحہ عمل اور منہج انقلاب کے اخذ کرنے کا اولین واہم ترین ذریعہ بھی سیرتِ رسول ﷺ ہے۔ (اس فرق کے ساتھ کہ عبادات یعنی تعبدی اُمور میں اصل ''حرمت'' ہے یہاں تک کہ اُس کی حلت ثابت ہو جائے اور معاملات میں اصل ''اباحت'' ہے یہاں تک کہ اُس کی حرمت ثابت ہو جائے۔) معلوم یہ ہوا کہ مصدر وماخذ سے متعلق کوئی اختلاف نہیں' بلکہ یہ جو تنوع ہم تحریکوں کے طریقہ کار میں پاتے ہیں یہ اصلاً اُس کے فہم اور تعبیر وتشریح میں نقطۂ نظر کی صحت وضعف کا ہے۔ واضح رہے کہ جب ہم کسی فعل کے لیے کسی واقعہ سے نظیر لیتے ہیں یا قضیۂ اولیٰ کو قضیۂ ثانیہ پر قیاس کرتے ہیں تو اِس امر کی صحت و بطلان کا انحصار دو اساسات پر ہوتا ہے' جسے اصولیین کی زبان میں اصل اور فرع یا مقیس علیہ اور مقیس کہتے ہیں۔ جب تک ہر دو اجزاء کی مکمل معرفت' اُن کے اوصاف وخواص' تعمیم وتخصیص' اطلاق وتقیید سے واقفیت اور سبب وعلت پر حکیمانہ نظر نہ ہو تو یہ استشہاد خطرہ سے خالی نہیں ہوتا۔

زیر نظر موضوع پر جب ہم اِس اصول کی روشنی میں غور کرتے ہیں تو تعقل کے اجزاء یہ قرار پاتے ہیں:

(۱) منہج انقلاب اخذ کرنے کے نقطۂ نظر سے رسول اللہ ﷺ کی سیرتِ مطہرہ کا مطالعہ۔

(۲) موجودہ احوال وظروف کا دقتِ نظری سے مطالعہ۔

جزوِ اول کی حیثیت اصل یا مقیس علیہ کی ہوگی اور جزو ثانی فرع یا مقیس کہلائے گا۔ اِس بات میں کوئی ابہام نہیں ہونا چاہیے کہ دونوں اجزاء اپنی انفرادی حیثیت میں مکمل توجہ کے مستحق ہیں' کوئی بھی جزو ثانوی درجہ کا نہیں' اس لیے کہ مطلوبہ مقاصد کا حصول صرف اُسی وقت ممکن ہے جب دونوں اجزاء کی صحیح معرفت ہو۔ یعنی سیرت کے مطالعے میں خاص معروضی نقطۂ نگاہ کو اپنایا گیا ہو جو کہ تخریج منہج کے لیے مطلوب ہے۔ اور اِسی طرح اپنے زمانہ کے مزاج' تقاضے' دورِ نبویؐ کے مقابلہ میں رونما ہونے والے فرق و تفاوت' تمدنی وفکری ارتقاء اور دیگر قابل لحاظ امور کی صحیح صحیح تحقیق و تنقیح کر لی گئی ہو۔ فقہ کی اصطلاح میں پہلے جزو کو فقہ الاحکام اور دوسرے جزو کو فقہ الواقع سے تعبیر کیا جاتا ہے اور ایک شخص کے لیے دونوں اجزاء کی تحقیق لازم ہے' ورنہ وہ مقاصدِ شرعیہ کی من کل الوجوہ پاسداری نہیں کر سکتا۔

اِس کو عام فہم انداز میں اِس طرح سمجھا جا سکتا ہے کہ جیسے ایک کاریگر فرمے یا سانچے سے کوئی شے تیار کرتا ہے۔ اِس عمل کے دو اجزاء ہیں' ایک سانچہ اور دوسرا وہ مادّہ جس کو اُس سانچے میں رکھ کر مطلوبہ شے تیار کی جاتی ہے۔ کاریگر کا دونوں اجزاء سے اچھی طرح واقف ہونا یکساں طور پر ضروری ہے۔ اُسے فرمے یا سانچے کا استعمال بھی آتا ہو اور ساتھ ساتھ یہ بھی معلوم ہو کہ جس مادہ کو سانچہ میں ڈالا جاتا ہے اُسے پگھلا کر استعمال کیا جاتا ہے یا کاٹ کر یا پیس کر۔ مطلوبہ شے کا حصول تبھی ممکن ہے کہ جب کاریگر دونوں اجزاء سے گہری واقفیت رکھتا ہو۔

اللہ عزوجل نے اپنے نبی حضرت محمد ﷺ کو اظہارِ دین یا اقامت دین کے لیے جو منہج دے کر بھیجا وہ واضح طور پر دو مراحل میں منقسم ہے' اور ہر دو مراحل اپنی نوعیت' اثرات اور تقاضوں کے اعتبار سے مختلف اور متضاد بھی ہیں۔ اگر مکی دور میں نازل ہونے والی آیات پر ایک سرسری نگاہ ڈالی جائے تو کوئی مانع نہیں جو اِس تأثر کے اخذ کرنے سے ہمیں روکتا ہو کہ اُس دَور میں اللہ تبارک وتعالیٰ کی جانب سے اپنے نبیؐ کو جو منہج اور طریقۂ کار دیا گیا تھا وہ دعوت اور تبلیغ ہی کا تھا جس میں ایک خاص درویشانہ رنگ غالب ہے۔ یہ دَور جہاد و قتال سے یکسر خالی ہے۔ اور اگر کہیں آیات میں لفظ جہاد استعمال ہوا ہے تو اُس کے معنی کوشش اور جدوجہد کے ہیں نہ کہ جنگ وقتال کے۔ اُس دَور کی کیفیات کا مطالعہ کیا جائے تو چند عناصر بہت واضح ہیں' جیسے یہ حکم کہ صبر کیے جاؤ' یعنی جو مصائب دعوت کے دوران پیش آئیں اُن پر صبر کی تلقین ہو رہی ہے۔ استقامت یعنی اپنے موقف پر ڈٹے رہنے کی تعلیم دی جا رہی ہے۔ ہر مصیبت کو جھیل جانے کا عزم پیدا کیا جا رہا ہے۔ برائی کا بدلہ اچھائی سے دیے جانے پر اُبھارا جا رہا ہے' تزکیۂ نفوس پر زور ہے' نماز اپنی ابتدائی شکل میں ہے اور اُس کی مشق کرائی جا رہی ہے۔ اخلاق کی تہذیب مطلوب ہے۔ حق بات کہنے پر جو ذہنی یا جسمانی اذیت پہنچے اُس پر کمالِ استقامت کی ترغیب اور اس کے نتیجے میں جنت کی خوشخبری دی جا رہی ہے۔ ایمان وتقویٰ میں درجۂ احسان کی جانب پیش قدمی کے لیے تحریض وتشویق ہے۔ سیرتِ نبویؐ کے اس مرحلہ میں

مسلمانوں کی پوری جماعت کو اِس بات کی سخت تاکید تھی کہ ظلم کے جواب میں کوئی اقدام نہیں کرنا۔ یعنی مار کھانا ہے مارنا نہیں ہے' جان دینا ہے جان لینا نہیں ہے۔ اِسی حکم کو بعد میں اِن الفاظ میں ظاہر کیا گیا:

﴿ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ قِيْلَ لَهُمْ كُفُّوْٓا اَيْدِيَكُمْ .....﴾ (النساء :۷۷)

''کیا تم نے نہیں دیکھا اُن لوگوں کی طرف جن سے کہا گیا تھا کہ اپنے ہاتھ بندھے رکھو.....؟''

مکی دَور کے برعکس ہجرت کے بعد یعنی مدنی دور میں ہم دیکھتے ہیں کہ مندرجہ بالا عناصر میں چند اور چیزوں کا اضافہ ہوتا ہے جس سے جدوجہد کا رنگ ہی بدل جاتا ہے۔ اب کفار کو نہ صرف اُن کے ظلم کا جواب دیا جا رہا ہے' بلکہ آگے بڑھ کر چیلنج بھی کیا جا رہا ہے۔ اُن سے دو بدو جنگ ہو رہی ہے' اُن کی گردنیں اُتاری جا رہی ہیں' کفار و مشرکین کو قیدی بنایا جا رہا ہے۔ جہاں معاہدہ کرنے کی ضرورت پیش آتی ہے وہاں عہد و میثاق ہو رہے ہیں' جہاں عارضی صلح درکار ہے وہاں امن و صلح کی بات چیت ہو رہی ہے۔ غرض اس اُبھرتی ہوئی طاقت کے لیے جس وقت جو عمل مناسب ہے وہ اختیار کیا جاتا ہے' یہاں تک کہ اللہ عزوجل نے اسلام کو شان و شوکت سے نواز دیا۔

ہر دو مراحل کے تقاضے یکسر مختلف ہیں۔ بظاہر یہ تضاد ہے مگر حکمت دین کو ملحوظ رکھتے ہوئے اگر سیرت کے اِن اَدوار پر غور کیا جائے تو یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ ان مراحل کے مابین نسبت تضاد کی نہیں بلکہ تدریج کی ہے۔ ایک مقدم ہے اور ایک مؤخر!

خدا کے کام دیکھو بعد کیا ہے اور کیا پہلے
نظر آتا ہے مجھ کو بدر سے غارِ حرا پہلے!

اس حکمت کو سمجھنے کے لیے ہمارے پاس سب سے مقدم اور مؤثر ذریعہ قرآنِ حکیم ہے اور اُس کے بعد سیرتِ نبویؐ۔ چنانچہ ہم ذیل میں قرآن حکیم کی آیات کو مکی اور مدنی تقسیم کے اعتبار سے پیش کریں گے تاکہ بات واضح ہو جائے۔ اِس سے قبل کہ ہم آیات کی طرف متوجہ ہوں' ایک نظر علامہ زرقانیؒ کی 'مناھل الفرقان' پر ڈالتے ہیں تاکہ قرآن مجید کے فہم میں مکی اور مدنی تقسیم کی اہمیت و افادیت کا اندازہ ہو سکے۔

شیخ زرقانیؒ فائدة العلم بالمکی والمدنی کے عنوان کے تحت لکھتے ہیں:

من فوائده ایضًا معرفة تاریخ التشریع و تدرّجه الحکیم بوجهٍ عام' وذلك یترتّب علیه الایمان بسمو السیاسة الاسلامیّة فی تربیة الشعوب والافراد (۱)

''آیاتِ قرآنی کے مکی اور مدنی ہونے کی معرفت کے کئی فوائد ہیں۔ اُن میں سے ایک یہ بھی ہے کہ عام طور پر احکام کے مشروع ہونے کے تاریخی پس منظر کا علم ہوتا ہے اور احکام کے نزول میں ملحوظ رکھی گئی حکیمانہ تدریج سے واقفیت ہوتی ہے اور اِس سے یہ یقین حاصل ہوتا ہے کہ افراد اور قبائل کی ترتیب و تہذیب میں اسلامی سیاست کا اہم کردار ہے''۔

آگے فرماتے ہیں:

والخلاصةُ أن القرآن كله قام على رعاية حال المخاطبين ' فتارةً يشتدُّ و تارةً يلين تبعاً لما يقتضه حالهم(۲)

''اور خلاصہ یہ ہے کہ قرآن مجید کل کا کل اپنے مخاطبین کے حالات کی رعایت کرتا ہے۔ کبھی یہ سختی اختیار کرتا ہے اور کبھی نرمی۔ اِس بات کو پیش نظر رکھا گیا ہے کہ مخاطبین کے حالات کس حکم کا تقاضا کرتے ہیں''۔

مزید لکھتے ہیں:

على أننا نلاحظ فى آفاق الآيات و السور المكية' ظاهرة تُسكت كل معاند' و تفحم كل مكابر فى هذا الموضوع وهى أن القسم المكى خلا خلوا تامًا من تشريع القتال والجهاد و المخاشفة' كما حلت أيامه فى مكة على طولها من مقاتلة القوم بمثل ما ياتون من التنكيل والمصاولة' فلم يُسمع المسلمين فيها صلصلة لسيف' ولا قَعْقَعةٌ للسلاح ولا زحف على عدو انما هو الصبر والعفو والمحاملة والمحاسفة (ایضاً)

''ہم دیکھتے ہیں کہ مکی آیات اور صورتوں میں یہ وصف ظاہر ہے کہ اِس میں ہر معاند کا (دلیل سے) منہ بند کرایا گیا ہے اور ہر متکبر کو (برہان اور حجت سے) چپ کرا دیا جاتا ہے۔ اور یہ کہ مکی سورتیں مکمل طور پر جہاد وقتال کے اَحکام سے خالی ہیں۔ جیسا کہ باوجود کفار کی ایذا رسانی کے طویل مکی دَور میں مسلمانوں کو قتال سے روک دیا گیا تھا۔ اس دَور میں مسلمانوں نے نہ تلوار کی گرج سنی نہ ہی اسلحہ کی کڑک' اور نہ ہی دشمنوں پر ہجوم کیا' بلکہ انہیں حکم تھا تو صبر و درگزر اور تحمل و برداشت کا''۔

جب قرآن حکیم کی سورتوں پر مکی اور مدنی اَدوار کے حوالے سے غور کیا جاتا ہے تو دونوں مراحل یعنی مکی دور میں صبر محض اور مدنی دور میں اقدام کی حکمت عملی اِس قدر ظاہر اور واضح ہے کہ علماء علوم القرآن کی کتب میں اِسی فرق کو مکی اور مدنی آیات کی پہچان بتاتے ہیں۔ علامہ زرقانیؒ رقم طراز ہیں:

اما ضوابط المدنى: كل سورة فيها الحدود و الفرائض فهى مدنية كل سورة فيها اذن بالجهاد و بيان احكام الجهاد فهى مدنية. (ایضاً)

''مکی اور مدنی سورتوں کی پہچان کا ضابطہ یہ ہے کہ ہر وہ سورت جس میں حدود اور فرائض کا تذکرہ ہے وہ مدنی ہے۔ ہر وہ سورت جس میں جہاد کی اجازت اور جہاد کے احکام کا بیان ہے وہ مدنی ہے''۔

ذیل میں ہم قرآن مجید کی آیاتِ بینات کو نزول کے اعتبار سے یعنی مکی اور مدنی تقسیم کے ساتھ پیش کرتے ہیں:

مکی قرآن پر ایک نظر

یہاں ہمارے پیش نظر یہ ہے کہ مکی قرآن میں جس طرح صبر کی تکرار ہے اور جس طرح اِس وصف پر

زور دیا جارہا ہے وہ بیک چشم سامنے آجائے۔ درج ذیل آیات پر اِسی تناظر میں غور کیجیے!

☆ رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بتایا جارہا ہے کہ دعوتِ حق کے نتیجے میں آپ سے قبل بھی انبیاء ورُسل علیہم السلام کے ساتھ اِس طرح کا سلوک ہوتا رہا ہے تو پس آپ بھی صبر سے کام لیں۔ سورۃ الانعام میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَقَدْ كُذِّبَتْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ فَصَبَرُوْا عَلٰى مَا كُذِّبُوْا وَاُوْذُوْا حَتّٰٓى اَتٰىهُمْ نَصْرُنَا ۚ وَلَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ ۚ وَلَقَدْ جَآءَكَ مِنْ نَّبَاِئِ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿٣٤﴾ وَاِنْ كَانَ كَبُرَ عَلَيْكَ اِعْرَاضُهُمْ فَاِنِ اسْتَطَعْتَ اَنْ تَبْتَغِيَ نَفَقًا فِي الْاَرْضِ اَوْ سُلَّمًا فِي السَّمَآءِ فَتَاْتِيَهُمْ بِاٰيَةٍ ۭ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَمَعَهُمْ عَلَى الْهُدٰى فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ ﴿٣٥﴾﴾

''اور (اے نبی ﷺ) آپ سے قبل بہت سے رسول جھٹلائے جا چکے ہیں' تو اس تکذیب پر اور اُن اذیتوں پر جو اُنہیں پہنچائی گئیں' انہوں نے صبر کیا یہاں تک کہ انہیں ہماری مدد پہنچ گئی۔ اللہ کی باتوں کو بدلنے کی طاقت کسی میں نہیں ہے۔ اور (پچھلے) رسولوں کے ساتھ جو کچھ پیش آیا اُس کی خبر آپؐ کو پہنچ ہی چکی ہے۔ تاہم اگر ان لوگوں کی بے رُخی آپ (ﷺ) پر بھاری گزر رہی ہے تو اگر آپؐ میں کچھ زور ہے تو زمین میں کوئی سرنگ ڈھونڈ لیں یا آسمان میں سیڑھی لگا لیں اور اِن کے پاس کوئی نشانی لانے کی کوشش کیجیے۔ اور اگر اللہ چاہتا تو اِن سب کو ہدایت پر جمع کر سکتا تھا' لہٰذا جذبات سے مغلوب ہونے والوں میں سے نہ ہو جائیں!''

☆ سورۃ الاعراف میں اللہ جل شانہ مسلمانوں کی جماعت کو صبر کی تلقین کرتے ہیں اور ثباتِ قلبی کے سامان کے لیے فرماتے ہیں کہ گزشتہ انبیاء اور اُن کے اصحاب کے ساتھ بھی ایسا ہی معاملہ پیش آیا تھا۔ انہوں نے صبر کیا اور بشارت پائی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهِ اسْتَعِيْنُوْا بِاللّٰهِ وَاصْبِرُوْا ۚ اِنَّ الْاَرْضَ لِلّٰهِ ۙ يُوْرِثُهَا مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ۚ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ ﴿١٢٨﴾ قَالُوْٓا اُوْذِيْنَا مِنْ قَبْلِ اَنْ تَاْتِيَنَا وَمِنْۢ بَعْدِ مَا جِئْتَنَا ۭ قَالَ عَسٰى رَبُّكُمْ اَنْ يُّهْلِكَ عَدُوَّكُمْ وَيَسْتَخْلِفَكُمْ فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُوْنَ ﴿١٢٩﴾﴾

''کہا موسیٰ (علیہ السلام) نے اپنی قوم سے کہ اللہ سے مدد چاہو اور صبر کرو۔ بے شک زمین کی ملکیت اللہ کے لیے ہے' وہ اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے اس کا وارث بناتا ہے' اور انجامِ کار تو متقیوں کے لیے ہے! لوگ کہنے لگے ہمیں آپ کے آنے سے قبل بھی ستایا گیا اور آپ کے آنے کے بعد بھی۔ (تو حضرت موسیٰؑ نے) فرمایا کہ قریب ہے کہ تمہارا ربّ تمہارے دشمن کو ہلاک کر دے اور تم کو زمین میں خلافت عطا کر دے' تاکہ وہ دیکھے کہ تم کیسا عمل کرتے ہو۔''

مکّی سورتوں کی مزید آیات ملاحظہ کیجیے:

☆ ﴿وَاتَّبِعْ مَا يُوْحٰى اِلَيْكَ وَاصْبِرْ حَتّٰى يَحْكُمَ اللّٰهُ ۚ وَهُوَ خَيْرُ الْحٰكِمِيْنَ ﴿۱۰۹﴾﴾ (یونس)

''اور (اے نبیؐ!) پیروی کیجیے اُس کی جو آپؐ کی جانب وحی کیا جاتا ہے اور صبر کیجیے یہاں تک کہ اللہ فیصلہ کر دے۔ اور وہ بہترین فیصلہ کرنے والا ہے''۔

☆ ﴿اِلَّا الَّذِيْنَ صَبَرُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۙ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ كَبِيْرٌ ﴿۱۱﴾﴾ (ھود)

''سوائے اُن لوگوں کے جنہوں نے صبر کیا اور نیک اعمال کیے۔ اُن کے لیے ہے مغفرت اور بہت بڑا اجر''۔

☆ ﴿فَاسْتَقِمْ كَمَآ اُمِرْتَ وَمَنْ تَابَ مَعَكَ وَلَا تَطْغَوْا ۭ اِنَّهٗ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۱۱۲﴾﴾ (ھود)

''پس ڈٹے رہیے (اے نبیؐ!) جیسا کہ آپؐ کو حکم ہوا ہے اور وہ بھی جس نے توبہ کی آپؐ کے ساتھ اور تم لوگ حد سے نہ بڑھنا۔ بے شک وہ دیکھ رہا ہے جو کچھ تم کرتے ہو''۔

☆ اسی سورت میں آگے جا کر پھر ارشاد ہوتا ہے:

﴿وَاصْبِرْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۱۵﴾﴾

''اور صبر کرو۔ بے شک اللہ ضائع نہیں کرتا نیکوکاروں کے اجر کو''۔

☆ سورۃ النحل بھی مکی سورت ہے۔ اس میں اہل ایمان کے اوصاف کے ضمن میں فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿الَّذِيْنَ صَبَرُوْا وَعَلٰي رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ﴿۴۲﴾﴾

''وہ لوگ جو صبر کی روش اختیار کرتے ہیں اور اپنے ربّ پر توکل کرتے ہیں''۔

☆ اسی سورت میں ایک اور جگہ ارشاد ہے:

﴿وَلَنَجْزِيَنَّ الَّذِيْنَ صَبَرُوْٓا اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۹۶﴾﴾

''اور لازماً ہم صبر کرنے والوں کو اُن کا اجر اُن کے بہترین اعمال کے مطابق دیں گے''۔

☆ اسی سورت کے دوسرے مقام پر فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ثُمَّ اِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِيْنَ هَاجَرُوْا مِنْۢ بَعْدِ مَا فُتِنُوْا ثُمَّ جٰهَدُوْا وَصَبَرُوْٓا ۙ اِنَّ رَبَّكَ مِنْۢ بَعْدِهَا لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۱۰﴾﴾

''پھر یہ کہ آپؐ کا ربّ اُن لوگوں کے لیے جنہوں نے ہجرت کی اس کے بعد کہ وہ آزمائے گئے' پھر اُنہوں نے جہاد کیا اور صبر کیا' بے شک آپ کا ربّ اس کے بعد بخشنے والا مہربان ہے''۔

اس آیت کے ذیل میں شاہ عبدالقادرؒ موضح القرآن میں تحریر فرماتے ہیں:

''یہ آیت کریمہ حضرت یاسر رضی اللہ عنہ' حضرت سمیہ رضی اللہ عنہا اور حضرت عمار رضی اللہ عنہ پر ہونے والے مظالم کے بعد نازل ہوئی''۔

واضح رہے کہ اِن آیات میں جو لفظ "جہاد" استعمال ہوا ہے وہ اپنے لغوی معنی میں ہے' یعنی جِدّ و جُہد'

کشاکش' نہ کہ جنگ وقتال کے معنی میں۔اس لیے کہ ہم جانتے ہیں مکہ میں کسی قسم کا قتال تو کیا مدافعت کے لیے بھی ہاتھ اُٹھانے پر پابندی تھی۔اسی طرح سورۃ العنکبوت میں ارشاد ہے:

﴿وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا ۭ وَاِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِيْنَ﴾

''اور وہ لوگ جو ہماری راہ میں جد وجہد کرتے ہیں ہم اُنہیں ضرور اپنے راستوں کی ہدایت دیں گے۔اور یقیناً اللہ تعالیٰ نیکوکاروں ہی کے ساتھ ہے۔''

☆ایک اور مکی سورۃ' سورۃ الفرقان میں لفظ جہاد انہی معنی میں استعمال ہوا ہے' جسے ''جہاداً کبیراً'' کہا گیا ہے۔ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿فَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ وَجَاهِدْهُمْ بِهٖ جِهَادًا كَبِيْرًا﴾

''پس کافروں کا کہنا مت مانو اور ان سے اِس (قرآن) کے ساتھ جہاد کرو بڑا جہاد''۔

مراد یہ ہے کہ قرآن مجید فرقان حمید کی آیاتِ بیّنات کے ذریعے مسلمان مرحلۂ دعوت کے دوران احقاقِ حق اور ابطالِ باطل کا فریضہ نظریاتی اور قولی سطح پر ادا کریں۔اس مفہوم کا تعین اس حکم صریح سے ہوتا ہے جو سیرت النبیؐ کے پورے مکی دَور پر محیط ہے۔ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ قِيْلَ لَهُمْ كُفُّوْٓا اَيْدِيَكُمْ﴾ (النساء: ۷۷)

''کیا آپؐ نے نہیں دیکھا اُن لوگوں کو جن سے کہا گیا تھا کہ اپنے ہاتھوں کو بندھا رکھو؟''

جبکہ اذنِ قتال تو اثنائے سفرِ ہجرت بایں الفاظ نازل ہوا:

﴿اُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا ۭ وَاِنَّ اللّٰهَ عَلٰي نَصْرِهِمْ لَقَدِيْرُۨ﴾ (الحج)

''اجازت دے دی گئی اُن لوگوں کو (قتال کرنے کی) جن سے قتال کیا گیا بسبب اس کے کہ اُن پر ظلم ہوا۔اور بے شک اللہ اُن کی مدد پر قادر ہے''۔

اس کے ذیل میں صاحب موضح القرآن لکھتے ہیں:

''جب تک حضرت ﷺ مکے میں رہے حکم تھا کہ مسلمان صبر کریں کافروں کی بدی پر۔اور جب مدینہ میں آئے تو حکم ہوا کہ جو تم سے بدی کرے تم بھی بدلا لو' جہاد شروع ہوا۔''

تفسیر طبری میں آیت ﴿اُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا ۭ وَاِنَّ اللّٰهَ عَلٰي نَصْرِهِمْ لَقَدِيْرُۨ﴾ (العنکبوت) کا شانِ نزول اس طرح بیان ہوا ہے:

قال العوفی عن ابن عباس نزلت فی محمد ﷺ واصحابہ حین اخرجوا من مکة وقال مجاهد و الضحاك وغیر واحد من السلف کابن عباس وعروة بن الزبیر وزید بن اسلم و مقاتل بن حیان و قتادة وغیرهم هذه اول آیة نزلت فی الجهاد۔ وروی ابن جریر عن ابن عباس قال لما اخرج النبی ﷺ من مکة قال ابو بکر: اَخرجوا نبیهم انا لله وانا الیه راجعون لیهلکن قال ابن عباس فانزل اللّٰه عزوجل:

﴿اُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا﴾ قال ابو بكرؓ فعرفت انه سيكون قتال وزاد الامام أحمد قال ابن عباس وهي اول آية نزلت في القتال(۳)

''عوفی نے ابن عباسؓ سے روایت کیا کہ یہ آیت محمد رسول اللہ ﷺ اور اُن کے اصحابؓ کے بارے میں اُس وقت نازل ہوئی جب وہ مکہ سے نکالے گئے۔ جیسے ابن عباس‘ عروہ بن زبیر‘ زید بن اسلم‘ مقاتل بن حیان اور قتادہ وغیرہ نے کہا کہ یہ وہ آیت ہے جو جہاد (قتال) کے بارے میں سب سے پہلے نازل کی گئی۔ اور ابن جریر نے ابن عباسؓ سے روایت کی ہے کہ جب نبی اکرم ﷺ کو مکہ سے نکالا گیا تو حضرت ابوبکرؓ نے کہا: ''انہوں نے (کفارِ مکہ نے) اپنے نبیؐ کو ہجرت پر مجبور کیا —— اِنّا للہ واِنّا الیہ راجعون —— تاکہ وہ خود ہلاک کیے جائیں! حضرت ابن عباس نے کہا کہ پس اللہ نے یہ آیت نازل کی: ''اجازت دی گئی اُن لوگوں کو جن سے قتال کیا گیا (قتال کی) بسبب اس کے کہ اُن پر ظلم ہوا'' تو حضرت ابوبکرؓ نے کہا کہ میں جان گیا کہ یہ قتال کا اذن ہے اور اس پر امام احمد نے ابن عباسؓ سے مزید نقل کیا ہے کہ یہ اولین آیت ہے جو قتال کے متعلق نازل ہوئی۔''

اس ضروری وضاحت کے بعد ہم واپس مکی قرآن کے معروضی مطالعہ کو آگے بڑھاتے ہیں۔

☆ ﴿فَاصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ غُرُوْبِهَا ۚ وَمِنْ اٰنَآئِ الَّيْلِ فَسَبِّحْ وَاَطْرَافَ النَّهَارِ لَعَلَّكَ تَرْضٰى ﴿۱۳۰﴾﴾ (طٰہٰ)

''سو صبر کیجیے اُس پر جو یہ کہتے ہیں اور اپنے ربّ کی حمد و ثنا کے ساتھ اس کی تسبیح کیجیے سورج نکلنے سے قبل اور غروب ہونے سے قبل‘ اور رات کے اوقات میں پاکی بیان کیجیے اور صبح و شام بھی تاکہ راضی ہو جائے آپ کا ربّ''۔

☆ سورۃ النحل میں اُس عظیم الشان آیت کے بعد جس میں دعوت الی اللہ کے مراتبِ ثلاثہ بیان ہوئے ہیں‘ یعنی حکمت‘ موعظتِ حسنہ اور جدالِ احسن‘ یہ آیات وارد ہوئی ہیں:

﴿وَاِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوْا بِمِثْلِ مَا عُوْقِبْتُمْ بِهٖ ۖ وَلَئِنْ صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَيْرٌ لِّلصّٰبِرِيْنَ ﴿۱۲۶﴾ وَاصْبِرْ وَمَا صَبْرُكَ اِلَّا بِاللّٰهِ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَلَا تَكُ فِيْ ضَيْقٍ مِّمَّا يَمْكُرُوْنَ ﴿۱۲۷﴾﴾

''اور اگر بدلہ لو تو بدلہ لو اُس قدر جتنی تم کو تکلیف پہنچی‘ اور اگر صبر کرو تو یہ بہتر ہے صبر کرنے والوں کے لیے۔ اور صبر کرو اور آپ کا صبر کرنا تو نہیں مگر اللہ ہی کی مدد سے‘ اور اِن پر غم نہ کیجیے اور ان کے فریب کی وجہ سے تنگی محسوس نہ کیجیے''۔

اس مقام پر یہ اشتباہ ہو سکتا ہے کہ مکی دور میں بھی بدلہ لینے کی اجازت تھی‘ مگر جاننا چاہیے کہ اولاً تو یہ ایک انفرادی رخصت ہے نہ کہ عمومی حکم۔ پھر یہ کہ اصل حکم آیت کے ابتدائی حصہ میں پورے اہتمام کے ساتھ بیان ہوا ہے‘ یعنی یہ کہ اگر کوئی انفرادی طور پر جذبات سے مغلوب ہو کر کوئی جوابی کارروائی کر دے تو اُس پر لازم ہے کہ برابر کا معاملہ کرے نہ کہ اقدام! ع ''دل ہی تو ہے نہ سنگ و خشت درد سے بھر نہ آئے

کیوں!'' جبکہ مدنی دَور میں اقدام کو بھی مشروع کیا گیا۔ جیسا کہ تحریک اسلامی اپنے مقاصد کے حصول کے لیے مرحلہ وار اُس مقام پر پہنچ چکی تھی جب باطل پر اقدامی وار وقت کی ضرورت ہی نہیں بلکہ اہم ترین تقاضا ہوتا ہے۔ اس آیت کے ذیل میں امام ابن کثیرؒ بحوالہ طبری' ابن زیدؒ کا قول نقل کرتے ہیں:

وقال ابن زيد: كانوا قد امروا بالصفح عن المشركين فأسلم رجال ذو ومنعة فقالوا يا رسول اللّٰه!لو أذن اللّٰه لنا لا نتصرنا من هٰؤلاء الكلاب' فنزلت هذه الآية ثم نسخ ذلك بالجهاد(۴)

''ہمیں مشرکین سے عدم تعارض کا حکم دیا گیا تھا' مگر پھر مقابلہ کی طاقت رکھنے والے لوگ بھی اسلام لے آئے تو ہم نے عرض کیا: اے اللہ کے رسولؐ! اگر اللہ ہمیں اجازت دیتا تو ہم ان کُتّوں کا خوب مقابلہ کرتے۔ تو اس پر یہ آیت نازل ہوئی اور پھر عدمِ تعارض کا حکم جہاد سے منسوخ ہوگیا''۔

صاف ظاہر ہے کہ یہ مکی دور کے آخری حصہ کا تذکرہ ہو رہا ہے جس کے بعد وہ مراحل بھی آئے جن میں کفار سے کھل کر قتال کیا گیا۔ محولہ بالا اقتباس میں جو ترشی ہے اُس سے صحابہ کی کیفیت ظاہر ہوتی ہے کہ اُن کی غیرتِ ایمانی اُنہیں اقدام کی طرف اُبھار رہی ہے مگر کفِ ید کا حکم اتنا واضح ہے کہ کوئی اس کی خلاف ورزی نہیں کرتا۔ بس دربارِ نبوتؐ میں دست بستہ اجازت طلب کرتے نظر آتے ہیں۔ یہی وہ ضبط ہے جو ہر انقلابی جماعت کی ابتدائی مراحل میں اہم ترین ضرورت ہے۔ (یہاں جو نسخ کا ذکر ہوا ہے اس پر ہم آگے چل کر اِن شاء اللہ الگ عنوان کے تحت گفتگو کریں گے' کیونکہ آج کل ایک خاص طرح کے لٹریچر میں اس کا بے جا طور پر استعمال ہوتا ہے۔)

سلسلۂ تنزیل کے دورِ مکی میں مرحلۂ دعوت کے ضمن میں صبر واستقامت کے حوالے سے نازل ہونے والی مزید آیات ملاحظہ فرمایئے:

☆ ﴿فَاصْبِرْ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّلَا يَسْتَخِفَّنَّكَ الَّذِيْنَ لَا يُوْقِنُوْنَ ﴿۶۰﴾﴾ (الروم)

''پس صبر کیجیے' تحقیق اللہ کا وعدہ سچا ہے (ایک روز آپ ضرور غالب ہو کر رہیں گے) اور آپ کو یقین نہ رکھنے والے لوگ ہرگز ہلکا نہ پائیں!''

☆ جب مسلمان اپنے انتہائی پر مشقت اور صبر آزما دور سے گزر رہے تھے تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس موقع پر حضرت لقمان کی نصیحت کے ضمن میں صبر واستقامت کو عزم الامور قرار دے کر نبی اکرم ﷺ اور صحابہؓ کے لیے بشارت کا سامان فرمایا:

﴿يٰبُنَيَّ اَقِمِ الصَّلٰوةَ وَاْمُرْ بِالْمَعْرُوْفِ وَانْهَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَاصْبِرْ عَلٰى مَآ اَصَابَكَ ؕ اِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ﴿۱۷﴾﴾ (لقمٰن)

''(حضرت لقمان فرماتے ہیں) اے میرے بیٹے! نماز قائم رکھ' نیکی کی تلقین کر اور برائی سے منع کر

اور جو آفت تم پر آئے اُس پر صبر کر۔ بے شک یہ بڑے ہمت کے کاموں میں سے ہے''۔

مزید فرمایا:

☆ ﴿قُلْ يٰعِبَادِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوْا رَبَّكُمْ ؕ لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةٌ ؕ وَاَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةٌ ؕ اِنَّمَا يُوَفَّى الصّٰبِرُوْنَ اَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ ۝۱۰﴾ (الزمر)

''کہہ دیجیے (اے نبیؐ!) کہ اے میرے بندو جو ایمان لائے ہو! اپنے ربّ کا تقویٰ اختیار کرو۔ جو لوگ اِس دنیا میں اچھے کام کریں گے اُن کے لیے (آخرت میں) اچھا بدلا ہے۔ اور اللہ کی زمین کشادہ ہے۔ بے شک صبر کرنے والوں کو اُن کا اجر بے حساب دیا جائے گا''۔

☆ ﴿وَلَمَنْ صَبَرَ وَغَفَرَ اِنَّ ذٰلِكَ لَمِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ۝۴۳﴾ (الشوریٰ)

''اور البتہ جس نے صبر کیا اور بخش دیا تو یہ بڑے ہمت کے کاموں میں سے ہے''۔

۞ مرحلۂ دعوت کا وہ وصف جو مخالفینِ دعوت پر سب سے زیادہ اثر انداز ہوتا ہے، وہ صبر ہی ہے، یعنی مخالفت کو برداشت کرنا اور اپنے موقف پر ڈٹے رہنا۔ چنانچہ سورۃ الاحقاف کے اخیر میں رسول اللہ ﷺ کی وساطت سے حزب اللہ کے سامنے انبیاءِ سابقین علیہم السلام کا اسوہ پیش کیا جا رہا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

☆ ﴿فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ اُولُوا الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ وَلَا تَسْتَعْجِلْ لَّهُمْ ؕ كَاَنَّهُمْ يَوْمَ يَرَوْنَ مَا يُوْعَدُوْنَ.....﴾ (الاحقاف)

''پس صبر کیجیے جیسا کہ صبر کیا صاحبِ عزم پیغمبروں نے اور ان کے معاملہ میں جلدی مت کیجیے۔ ایسا ہے کہ وہ دیکھیں گے اُس دن جس کا اُن سے وعدہ کیا جاتا ہے.....''

☆ ﴿وَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ فَاِنَّكَ بِاَعْيُنِنَا وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ حِيْنَ تَقُوْمُ ۝۴۸﴾ (الطور)

''اور صبر کیجیے اپنے رب کے حکم کا (اپنے ربّ کے حکم کے منتظر رہیے) تحقیق آپ ہماری نگاہوں میں ہیں اور اپنے ربّ کی پاکی بیان کیجیے اس کی حمد کے ساتھ جب قیام کریں''۔

☆ ﴿فَاصْبِرْ صَبْرًا جَمِيْلًا ۝۵﴾ (المعارج)

''پس صبر کیجیے خوبصورت صبر''۔

☆ ﴿وَاصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ وَاهْجُرْهُمْ هَجْرًا جَمِيْلًا ۝۱۰﴾ (المزمل)

''اور صبر کیجیے اُس پر جو کچھ یہ کہتے ہیں اور ان سے دوری اختیار کیجیے اچھی طرح سے''۔

☆ ﴿وَالْعَصْرِ ۝۱ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِيْ خُسْرٍ ۝۲ اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ ۝۳﴾ (العصر)

''قسم ہے زمانے کی، بے شک انسان خسارے میں ہے، سوائے اُن لوگوں کے جو ایمان لائے اور نیک اعمال کیے اور آپس میں حق کی تاکید کی اور صبر کی تلقین کی''۔

۞ استقامت جو کہ مرحلۂ دعوت کے عناصر ترکیبی میں اہم عنصر ہے' سے متعلق ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

☆ ﴿اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا فَلَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ ﴿۱۳﴾﴾ (الاحقاف)

''بے شک وہ لوگ جنہوں نے کہا اللہ ہمارا رب ہے' پھر اُس پر ڈٹ گئے' تو ان پر نہ کوئی خوف ہے نہ ہی وہ غمگین ہوں گے''۔

☆ ﴿فَلِذٰلِكَ فَادْعُ ۚ وَاسْتَقِمْ كَمَآ اُمِرْتَ ۚ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ ۚ﴾ (الشوریٰ:۱۵)

''پس اسی طرف دعوت دیے جائیں' اور ڈٹے رہیے جیسا کہ آپ کو حکم ہوا ہے اور اُن کی خواہشات کی پیروی مت کرنا''۔

☆ سورۂ 'حٰمٓ السّجدۃ' میں تو یہ مضامین یعنی دعوت' استقامت اور صبر اپنی تکمیلی شان کے ساتھ جلوہ گر ہوتے ہیں۔ چنانچہ ارشاد ہے:

﴿اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَیْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِیْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ﴿۳۰﴾﴾

''بے شک وہ لوگ جنہوں نے کہا اللہ ہمارا رب ہے پھر اُس پر ڈٹ گئے (استقامت اختیار کی) اُن پر فرشتے نازل ہوتے ہیں (اور کہتے ہیں) کہ نہ ڈرو اور نہ ملال کرو اور خوشخبری سنو اُس جنت کی جس کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے''۔

تسلسلِ کلام میں پھر دعوت الی اللہ کا تذکرہ آتا ہے۔ فرمایا:

﴿وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَآ اِلَى اللّٰهِ وَعَمِلَ صَالِحًا.....﴾

''اور اُس سے اچھی بات کس کی ہوگی جو اللہ کی طرف بلائے اور عمل کرے نیک.....؟''

پھر اگلی آیت میں دعوت کے منہج کی مزید توضیح کر دی کہ برائی اور بھلائی برابر نہیں۔ تم برائی کو بھلائی سے دور کرو' اس کے نتیجے میں تمہارے دشمن تمہارے گرویدہ ہو جائیں گے۔

اور اس سے اگلی آیت میں پھر دعوت الی اللہ کے ساتھ جو صبر و برداشت کا تعلق ہے اُس کو اِن شاندار الفاظ میں بیان فرمایا:

﴿وَمَا یُلَقّٰىهَآ اِلَّا الَّذِیْنَ صَبَرُوْا ۚ وَمَا یُلَقّٰىهَآ اِلَّا ذُوْ حَظٍّ عَظِیْمٍ ﴿۳۵﴾﴾

''اور نہیں حاصل ہوتا یہ مقام مگر اُن لوگوں کو جو صبر کی روش اختیار کرتے ہیں' اور نہیں ملتا یہ مرتبہ مگر بڑے نصیب والوں کو''۔

اگر ہم اس مشق یعنی مکی قرآن میں سے مرحلۂ دعوت سے متعلق آیات کی تخریج کو جاری رکھیں تو اس کے لیے مزید کئی صفحات درکار ہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو غلبہ و اقامتِ

دین کے لیے جو منہج دے کر بھیجا وہ واضح طور پر دو مرحلوں پر منقسم ہے' جیسا کہ قرآن وسیرت کے مطالعہ سے واضح ہوتا ہے۔ ایک کو ہم مکی دَور کہتے ہیں اور ایک کو مدنی دَور۔ ان کے مابین اصل فرق یہ ہے کہ مکی دور میں مسلمانوں کی تعداد اور استعداد کم تھی' ان کی تربیت اور تزکیہ وتنظیم کا عمل جاری تھا اِس لیے رسول اللہ ﷺ اور صحابہؓ کو حکم یہ تھا کہ اسلام کی دعوت اپنے قول وفعل سے دیتے رہیں۔ ایمان کی پختگی' گہرائی اور گیرائی کے لیے سعیٔ پیہم جاری تھی۔ اخلاق کی تہذیب' اللہ کے ساتھ عبدیت کے تعلق کو مستحکم کرنے کی کوشش اور درجۂ احسان کا حصول اُس دَور میں اپنے عروج پر نظر آتا ہے۔ منہج کے اعتبار سے دیکھا جائے تو صبح وشام اُس مطلوبہ استعداد اور تعداد کو حاصل کرنے کے لیے دعوت کا عمل ہر قربانی اور ایثار کے جذبہ کے ساتھ انتہائی مستقل مزاجی اور بغیر کسی مداہنت کے جاری وساری تھا۔ یہی وہ تشکیلی دَور ہے جس میں رسولِ خدا ﷺ نے وحیٔ الٰہی کی روشنی میں صحابہ کرامؓ کی صورت میں وہ قوت وجمعیت فراہم کی جو کسی بھی نظام سے ٹکرانے یا بالفاظِ دیگر مسلح یا غیر مسلح اقدام کے لیے شرط کی حیثیت رکھتی ہے۔

مدنی قرآن پر ایک نظر

اِس عنوان کے تحت ہم قرآن مجید سے اُن آیات کا ایک انتخاب پیش کر رہے ہیں جن سے رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی جِدّ و جُہد کے مدنی دور پر روشنی پڑتی ہے اور اس دور کے منہج کی خاصیت یعنی جہاد وقتال کی کیفیات ہمارے سامنے آتی ہیں۔ ظاہر ہے کہ یہ وہ خصوصیات ہیں جو مکی دور میں نہیں پائی جاتیں۔ مقصود اس تقابلی مطالعہ سے ہر دو مراحل کے فرق کو واضح کرنا ہے' تاکہ یہ دعویٰ پائے ثبوت کو پہنچ جائے کہ منہج اور طریقہ کار کا تعلق اصلاً مخاطبین کے اقتضاءِ حال سے ہے جو کہ احوال کے تبدیل ہونے سے بدلتا ہے۔

ان آیات کے مطالعہ کے دوران یہ حقیقت پیش نظر رہے کہ جب اِن کا نزول ہوا تو یہ وہ زمانہ ہے جب تحریکِ اسلامی تحریک کے مرحلہ سے گزر کر ریاستِ اسلامی کی شکل اختیار کر چکی تھی۔ یعنی قتال فی سبیل اللہ کی جو شرائط شریعتِ اسلامیہ میں مقرر ہیں وہ پوری ہو چکی تھیں۔ ارشادِ الٰہی ہے:

☆ ﴿كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ وَهُوَ كُرْهٌ لَّكُمْ ۚ وَعَسٰٓى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْئًا وَّهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ وَعَسٰٓى اَنْ تُحِبُّوْا شَيْئًا وَّهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ ۭ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿٢١٦﴾﴾ (البقرۃ)

''تم پر قتال فرض کر دیا گیا اور وہ تمہیں ناپسند ہے۔ اور ممکن ہے ایک چیز تم کو ناپسند ہو جبکہ وہ تمہارے لیے بہتر ہو۔ اور (اس کے برعکس) ممکن ہے ایک چیز تم کو محبوب ہو مگر اُس میں تمہارے لیے شر ہو۔ اور اللہ جانتا ہے اور تم لوگ علم نہیں رکھتے''۔

☆ ﴿قَاتِلُوا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَلَا يُحَرِّمُوْنَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَلَا يَدِيْنُوْنَ دِيْنَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حَتّٰى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَّدٍ وَّهُمْ

صٰغِرُوْنَ﴿۲۹﴾﴾ (التوبۃ)

''قتال کرو اُن لوگوں سے جو ایمان نہیں رکھتے اللہ پر اور یوم آخرت پر اور حرام نہیں ٹھہراتے اُسے جس کو حرام کیا اللہ اور اُس کے رسولؐ نے اور قبول نہیں کرتے دین حق کو اُن لوگوں میں سے جن کو کتاب دی گئی یہاں تک کہ وہ اپنے ہاتھ سے جزیہ ادا کریں اور چھوٹے بن کر رہیں''۔

☆ ﴿لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَالْمِيْزَانَ لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ ۚ وَاَنْزَلْنَا الْحَدِيْدَ فِيْهِ بَاْسٌ شَدِيْدٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَلِيَعْلَمَ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ وَرُسُلَهٗ بِالْغَيْبِ ؕ﴾ (الحدید:۲۵)

''تحقیق ہم نے بھیجا اپنے پیغمبروں کو کھلی نشانیوں کے ساتھ اور اُن کے ساتھ نازل کی کتاب اور میزان تاکہ لوگ انصاف پر قائم ہوں۔ اور ہم نے لوہا بھی اُتارا جس میں لڑائی کی سخت صلاحیت ہے اور لوگوں کے لیے دیگر فوائد بھی ہیں' تاکہ اللہ ظاہر کر دے کہ کون اللہ اور اُس کے رسولوں کی بن دیکھے مدد کرتا ہے''۔

☆ ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۙ اُولٰٓئِكَ يَرْجُوْنَ رَحْمَتَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴿۲۱۸﴾﴾ (البقرۃ)

''بے شک وہ لوگ جو ایمان لائے اور وہ جنہوں نے ہجرت کی اور اللہ کی راہ میں جہاد کیا یہ لوگ ہیں جو اللہ کی رحمت کے امیدوار ہیں۔ اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے''۔

☆ ﴿كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ ؕ﴾ (ال عمران: ۱۱۰)

''تم بہترین اُمت ہو جو نکالے گئے ہو لوگوں کے لیے' تم نیکی کا حکم کرتے ہو اور برائی سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو''۔

☆ ﴿وَ لَوْ لَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَّصَلَوٰتٌ وَّ مَسٰجِدُ يُذْكَرُ فِيْهَا اسْمُ اللّٰهِ كَثِيْرًا ؕ وَلَيَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِيٌّ عَزِيْزٌ﴿۴۰﴾﴾ (الحج)

''اور اگر اللہ دور نہ کرتا بعض کو بعض سے تو ڈھائی جاتیں خانقاہیں' یہود و نصاریٰ کے عبادت خانے' معبد اور مساجد جن میں کثرت سے اللہ کا نام لیا جاتا ہے۔ اور اللہ ضرور مدد کرے گا اُس کی جو اللہ کی مدد کرے (اُس کے دشمنوں سے لڑے)۔ بے شک اللہ زور آور (اور) زبردست ہے''۔

☆ ﴿وَقَاتِلُوا الْمُشْرِكِيْنَ كَآفَّةً كَمَا يُقَاتِلُوْنَكُمْ كَآفَّةً ؕ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ﴿۳۶﴾﴾ (التوبۃ)

''اور قتال کرو مشرکوں سے اکٹھے ہو کر جیسا کہ وہ تم سے اکٹھے لڑتے ہیں۔ اور جان رکھو کہ بے شک اللہ متقیوں کے ساتھ ہے''۔

☆ ﴿اِلَّا تَنْفِرُوْا يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا وَّيَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ وَلَا تَضُرُّوْهُ شَيْئًا ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝۳۹﴾ (التوبة)

''اگر نہیں نکلو گے تو اللہ تعالیٰ عذاب دے گا تم کو دردناک عذاب اور بدل دے گا تمہاری جگہ دوسرے لوگوں کو، اور تم اُس کا کچھ نقصان نہ کر پاؤ گے۔ اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے''۔

☆ ﴿وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ ۚ﴾ (الانفال:۳۹)

''اور قتال کرو اُن سے یہاں تک کہ فتنہ ختم ہو جائے اور ہو جائے دین کل کا کل اللہ کے لیے''۔

☆ ﴿اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِيْنَ يُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَسْعَوْنَ فِي الْاَرْضِ فَسَادًا اَنْ يُّقَتَّلُوْٓا اَوْ يُصَلَّبُوْٓا اَوْ تُقَطَّعَ اَيْدِيْهِمْ وَاَرْجُلُهُمْ مِّنْ خِلَافٍ اَوْ يُنْفَوْا مِنَ الْاَرْضِ ؕ ذٰلِكَ لَهُمْ خِزْيٌ فِي الدُّنْيَا وَلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝۳۳﴾ (المائدة)

''یقیناً جو لوگ لڑتے ہیں اللہ اور اُس کے رسول سے اور فساد برپا کرنے کے لیے زمین میں دوڑ دھوپ کرتے ہیں ان کی سزا یہ ہے کہ وہ قتل کیے جائیں اچھی طرح، یا سولی دیے جائیں، یا کاٹے جائیں ان کے ہاتھ اور پاؤں مخالف سمتوں سے یا ملک بدر کیے جائیں۔ یہ اُن کے لیے رسوائی ہے دنیا میں، اور آخرت میں اُن کے لیے بڑا عذاب ہے''۔

☆ ﴿فَقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ لَا تُكَلَّفُ اِلَّا نَفْسَكَ وَحَرِّضِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۚ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّكُفَّ بَاْسَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ؕ وَاللّٰهُ اَشَدُّ بَاْسًا وَّاَشَدُّ تَنْكِيْلًا ۝۸۴﴾ (النساء)

''پس قتال کیجیے اللہ کی راہ میں۔ آپ مکلف نہیں ہیں سوائے اپنی جان کے اور رغبت دلائیے ایمان والوں کو۔ قریب ہے کہ اللہ روک دے کافروں کی جنگ کو۔ اور اللہ بہت سخت ہے جنگ میں اور بہت سخت ہے عذاب دینے میں''۔

☆ ﴿فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ وَخُذُوْهُمْ وَاحْصُرُوْهُمْ وَاقْعُدُوْا لَهُمْ كُلَّ مَرْصَدٍ ۚ﴾ (التوبة:۵)

''تو قتل کرو مشرکوں کو جہاں پاؤ اُن کو، اور پکڑو اُن کو اور گھیرو اُن کو اور اُن کی تاک میں ہر گھات میں بیٹھو''۔

☆ ﴿فَاِنْ قٰتَلُوْكُمْ فَاقْتُلُوْهُمْ ؕ كَذٰلِكَ جَزَآءُ الْكٰفِرِيْنَ ۝۱۹۱﴾ (البقرة)

''پس اگر وہ لڑیں تم سے تو اُن کو قتل کرو۔ کافروں کی ایسی ہی سزا ہے''۔

☆ ﴿وَقَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ

الْمُعْتَدِيْنَ﴿۱۹۰﴾﴾ (البقرۃ)

''اور لڑو اللہ کی راہ میں اُن لوگوں سے جو تم سے لڑتے ہیں اور دیکھو زیادتی مت کرنا۔ تحقیق اللہ حد سے بڑھنے والوں کو محبوب نہیں رکھتا''۔

☆ ﴿اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِهٖ صَفًّا كَاَنَّهُمْ بُنْيَانٌ مَّرْصُوْصٌ﴿۴﴾﴾ (الصف)

''تحقیق اللہ محبوب رکھتا ہے اُن لوگوں کو جو اُس کی راہ میں قتال کرتے ہیں صفیں باندھ کر، ایسے جیسے کہ وہ سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہوں''۔

☆ ﴿وَاَنْزَلَ الَّذِيْنَ ظَاهَرُوْهُمْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مِنْ صَيَاصِيْهِمْ وَقَذَفَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الرُّعْبَ فَرِيْقًا تَقْتُلُوْنَ وَتَاْسِرُوْنَ فَرِيْقًا﴿۲۶﴾﴾ (الاحزاب)

''اور اللہ تعالیٰ اہل کتاب میں سے اُتار لایا اُن لوگوں کو اُن کے قلعوں سے جنہوں نے ان (حملہ آوروں) کی پشت پناہی کی تھی اور ڈال دیا اُن کے دلوں میں رعب کہ اب تم کچھ کو قتل کرتے ہو اور کچھ کو قیدی بناتے ہو''۔

☆ ﴿اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا ۙ﴿۱﴾ لِّيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ وَيُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكَ وَيَهْدِيَكَ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا﴿۲﴾﴾ (الفتح)

''تحقیق ہم نے (اے نبیؐ!) آپ کو کھلی فتح عطا کی۔ تاکہ اللہ آپ کے اگلے اور پچھلے گناہ بخش دے اور پوری کرے اپنی نعمت آپ پر اور دکھلائے آپ کو سیدھی راہ''۔

☆ ﴿اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ ۙ﴿۱﴾ وَرَاَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُوْنَ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا ۙ﴿۲﴾ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ ؕ اِنَّهٗ كَانَ تَوَّابًا﴿۳﴾﴾ (النصر)

''جب آ گئی اللہ کی نصرت اور فتح۔ اور آپ دیکھتے ہیں لوگوں کو کہ وہ داخل ہو رہے ہیں اللہ کے دین میں فوج در فوج۔ پس اپنے ربّ کی حمد کے ساتھ تسبیح کیجیے اور اس سے استغفار کیجیے۔ بے شک وہ توبہ کو قبول کرنے والا ہے''۔

قرآن مجید کی مکی اور مدنی آیات کے مطالعہ سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ ہر دو اَدوار میں مسلمانوں کا رویہ کفار سے یکسر مختلف اور متضاد رہا۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ مکی دور میں نبی اکرم ﷺ اور ان کے صحابہ رضی اللہ عنہم مشرکین کے مظالم کے جواب میں صبر و مصابرت کی روش پر گامزن ہیں اور اس کے برعکس مدینے میں ایک ایسا وقت بھی آیا کہ ابوسفیان نے دربارِ نبویؐ میں دست بستہ حاضر ہو کر صلح کی درخواست کی لیکن نبی اکرم ﷺ نے صلح نہیں کی۔ ظاہر ہے کہ یہ عمل وحیٔ الٰہی کی روشنی میں نبی اکرم ﷺ کی رہنمائی اور قیادت میں اختیار کیا گیا۔ مکی دَور میں پوری جدوجہد پر ایک درویشانہ اور مظلومانہ رنگ غالب ہے جبکہ مدنی دور میں اقدامی اور جارحانہ روش دکھائی دیتی ہے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ایسا کیوں ہے اور اس کے پیچھے

کیا حکمت کارفرما ہے؟ تو جاننا چاہیے کہ اسلام نہ ہمیشہ امن اور صلح، صبر اور درگزر کی تعلیم دیتا ہے اور نہ ہی ہر حال اور ہر جگہ جنگ وجدال اور جہاد وقتال پر اُبھارتا ہے۔ اسلام میں فی نفسہٖ نہ صلح مطلوب ہے نہ قتال، بلکہ یہ دونوں ایک خاص مقصد کے لیے حکمت عملی کے طور پر اختیار کیے جاتے ہیں، اور وہ خاص مقصد ہے اظہارِ دینِ حق، اقامتِ دین، قیامِ خلافت، نصبِ امامت، اقامۃ الدولۃ الاسلامیہ، حکومت الٰہیہ کا قیام۔ غرض نام اور اندازِ تعبیر مختلف ہیں مگر ان سب سے ایک ہی حقیقت کا اظہار مطلوب ہے۔ امام الہند حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اِس آیت کو سیرت النبی ﷺ کا عمود قرار دیا ہے، یعنی یہی وہ نقطہ ہے جس کے گرد پوری تیئیس سالہ جدّوجہد گردش کر رہی ہے۔ ارشادِ الٰہی ہے:

﴿هُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّیْنِ كُلِّهٖ﴾

(التوبۃ:۳۳، الفتح:۲۸، الصف:۹)

''وہی ہے (اللہ) جس نے بھیجا اپنے رسول کو الہدیٰ (کتابِ ہدایت) اور دین حق دے کر تاکہ غالب کر دے اُسے تمام نظام ہائے حیات پر''۔

اس آیت مبارکہ میں نبی اکرم ﷺ کا مقصد بعثت بیان ہوا ہے۔ اس نقطہ کو سمجھ لینے کے بعد سیرت کے ہر دو مراحل میں کوئی تضاد اور کوئی تعارض باقی نہیں رہتا۔ یعنی جب بھی جو طریقہ کار غلبۂ دین کے لیے زیادہ مناسب تھا ہم دیکھتے ہیں کہ سیرت النبیؐ میں وہی طریقہ اختیار کیا گیا۔ جب تک مکہ میں رہے مسلمانوں کے پاس اِس قدر قوت نہ تھی کہ کفر کی حکمرانی کو جڑ سے اُکھاڑ پھینکتے اور اُس کی جگہ خدا کی حکمرانی قائم کرتے۔ اِس لیے اقدام نہ کیا بلکہ مسلسل تن دہی کے ساتھ قوت کی فراہمی میں کوشاں رہے۔ اور ظاہر ہے کہ یہاں قوت سے مراد صرف عددی قوت نہیں بلکہ ایسی عددی قوت کی فراہمی مطلوب ہے جو ایمانِ حقیقی سے وافر حصہ رکھتے ہوں اور عمل صالح پر کاربند ہوں۔ پھر ہم دیکھتے ہیں کہ جب مطلوبہ قوت فراہم ہوگئی تو رسول اللہ ﷺ نے باطل کے خلاف اقدام کیا اور بھرپور کیا۔ بالآخر اللہ تبارک وتعالیٰ نے اسلام اور اہل ایمان کو غلبہ عطا فرمایا۔ دراصل یہ نقطہ حکمت دین سے متعلق ہے اور حکمت کی ایک تعریف یوں بھی کی گئی ہے: "وضع الشیٔ فی محلہ"۔ یعنی ہر چیز کو اُس کے صحیح مقام پر رکھنا۔ اللہ ہمیں حکمت عطا فرمائے۔ آمین!

کیا اب مکّی منہج (مرحلۂ دعوت) منسوخ ہے؟

جیسا کہ واضح کیا گیا، منہجِ نبویؐ کے دو مراحل ہیں جن میں حالات کی رعایت سے مقدم و مؤخر کی نسبت ہے۔ اب مسئلہ یہ درپیش ہے کہ ہمارے زمانے کے بعض خاص ذہنی پس منظر رکھنے والے افراد جو انقلابِ اسلامی کے طریقہ کار جیسے اہم موضوع پر سنجیدہ علمی و عقلی غور و فکر کے لیے سرے سے تیار ہی نہیں اور مسلمانوں کی موجودہ صورتِ حال پر اس قدر انفعالی کیفیت کا شکار ہیں کہ بغیر کسی استدلال کے نری جذباتیت برتتے ہیں، اور جو منہج اُنہوں نے اپنایا ہوا ہے وہ اصلاً تو کوئی لائحہ عمل ہے ہی نہیں اِلاّ یہ کہ اپنے غم و غصہ کا اظہار

ہو یا کچھ انتقامی جذبات کی تسکین ہو' سردست ہم اُن کے اِس دعویٰ بلا دلیل کا جائزہ پیش کرنا چاہتے ہیں کہ کیا جہاد وقتال کی آیات کے نزول سے دعوت وتبلیغ کا منہج منسوخ ہو گیا ہے؟ وہ آیات جو مکی دَور میں ہاتھوں کو باندھے رکھنے اور برائی کا جواب اچھائی سے دینے' مظالم پر صبر کرنے اور ظلم وجبر کے جواب میں مسلسل دعوت وتنظیم کو مزید بڑھانے کا مطالبہ کرتی ہیں' منسوخ ہو چکی ہیں اُن آیات سے جو مدنی دَور میں اذنِ قتال اور پھر حکم قتال سے متعلق نازل کی گئیں؟ ہمیں اِس بات کا جائزہ لینا ہے کہ یہ دعویٰ کہاں تک صحیح ہے؟

نسخ کا دعویٰ

ہمارے اِن نیک نیت مگر جذبات سے مغلوب بھائیوں کو اس بات کا اندازہ نہیں کہ وہ خالص علمی بحث کو چٹکیوں میں اُڑا رہے ہیں جسے اہل علم نے علوم القرآن کی کتب میں خاص اہتمام کے ساتھ ناسخ و منسوخ کے عنوان کے تحت درج کیا ہے۔ دیکھنا چاہیے کہ اس ہوائی دعوے کی زد قرآن حکیم کی بیشتر محکم آیات پر پڑتی ہے جس کے بعد قرآن مجید کا ایک بڑا حصہ ہمیں مخاطب ہی نہیں کرتا۔ یہ قرآن حکیم جو ابدالآباد کے لیے اور بنی نوع انسان کے ہر مسئلہ کے لیے اپنے اندر رہنمائی سموئے ہوئے ہے ہم اُسے اپنے جذبات اور جوش وخروش کے ہاتھوں مجبور ہو کر اتنا محدود کر دیں کہ اُسے غلبۂ دین کی جدوجہد کے صرف ایک دَور کے ساتھ خاص کر دیں' یہ قرآن پر ظلم اور لوگوں کو گمراہ کرنے والی بات ہے!

اب آیئے دیکھتے ہیں کہ اس دعوے کے متعلق اہل علم کیا فرماتے ہیں۔

سب سے پہلے علامہ بدرالدین الزرکشیؒ کی 'البرھان فی علوم القرآن' کو لیتے ہیں جس پر یہ اعتراض نہیں کیا جا سکتا کہ یہ موقف علماءِ سوء نے نائن الیون کے بعد مسلمانوں کو مغرب کی غلامی میں دینے کے لیے اختیار کیا ہے (کیونکہ علامہ کا تعلق ساتویں صدی ہجری سے ہے)۔ علامہؒ لکھتے ہیں:

فیما یقع فیه النسخ: الجمهور علی أنه لا یقع النسخ إلا فی الأمر والنهی وزاد بعضهم الأخبار وأطلق و قید ها آخرون بالتی یراد بها الأمرو النهی (۵)

''نسخ کہاں واقع ہوتا ہے؟ جمہور اہل علم کی رائے میں نسخ صرف امر و نہی میں واقع ہوتا ہے اور بعض نے اس پر اخبار (واقعہ کا تذکرہ) کا اضافہ کیا ہے۔ کچھ نے مطلق اخبار کہا ہے اور کچھ نے صرف اُن اخبار پر نسخ کا وقوع مانا ہے جن میں امر و نہی وارد ہوتے ہیں''۔

ملاحظہ ہو کہ جن آیات کے نسخ کا دعویٰ کیا جاتا ہے وہ اصلاً تو شریعت سے متعلق نہیں بلکہ منہاج سے متعلق ہیں جس کے متعلق اوپر جمہور کا مسلک درج کیا گیا کہ اِس میں نسخ واقع ہی نہیں ہوتا۔ علامہ کی درج ذیل عبارت پر غور کیا جانا چاہیے جس میں انہوں نے براہِ راست ہمارے پیشِ نظر موضوع سے بحث کی ہے۔ وہ فرماتے ہیں:

الثالث ما أمربه لسبب ثم یزول السبب' کالأمر حین الضعف والقلة بالصبرو

بالمغفرة للذين يرجون لقاء الله و نحوه من عدم إيجاب الأمر بالمعروف والنهى عن المنكر والجهاد و نحوها' ثم نسخه إيجاب ذلك وهذا ليس بنسخ فى الحقيقة وإنما هو نَسْ' كما قال تعالىٰ :"أونُنْسِهَا" فالْمُنسَأ هو الأمر بالقتال' إلى أن يقوى المسلون ' و فى حال الضعف يكون الحكم وجوب الصبر على الأذى(٦)

''تیسرا یہ کہ جو حکم دیا جائے کسی سبب کی وجہ سے' پھر وہ سبب نہ رہے' جیسا کہ مسلمانوں کو حکم دیا گیا تھا کفار کے ظلم پر صبر کرنے اور درگزر کرنے کا' اُن مسلمانوں کو جو اللہ سے ملاقات کی امید رکھتے ہیں۔ اور اسی طرح (مکی دور میں) امر بالمعروف اور نہی عن المنکر اور جہاد کے واجب نہ ہونے کا معاملہ ہے۔ پھر یہ حکم منسوخ ہو گیا وجوبِ جہاد سے اور یہ درحقیقت نسخ نہیں بلکہ یہ بھلا دینا ہے (بایں معنی کہ وقتی طور پر اس کے مطابق عمل نہیں کیا جائے گا) جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے :اَوْنُنْسِهَا۔ تو وقتی طور جو بھلا دیا گیا وہ حکم قتال تھا یہاں تک کہ مسلمان قوت حاصل کر لیں' اور ضعف کی حالت میں واجب ہے کہ تکلیف پر صبر کیا جائے''۔

یہ مشاہدہ ہے کہ نسخ کے دعوے دار اکثر ائمہ سلف کی اُن تفسیری آراء سے دلیل پکڑتے ہیں جو آیاتِ قتال کے ذیل میں ان جلیل القدر ہستیوں نے ظاہر فرمائی ہیں۔ اس کے صحیح محل اور مدعا کو سمجھنے کی ضرورت ہے۔ بعض تابعین نے نُنْسِهَا کی تفسیر نؤخرها (یعنی مؤخر کرتے ہیں) سے کی ہے۔ (ابن کثیر' جلد اوّل' سورۃ البقرۃ' آیت ۱۰۶) جیسا کہ امام ابن جریر طبری سورۃ الحج کی آیت ۳۹ ﴿اُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا﴾ (اجازت دی گئی اُن لوگوں کو جن سے قتال کیا جاتا ہے (قتال کرنے کی) بسبب اس کے کہ اُن پر ظلم ہوا) کے تحت لکھتے ہیں:

وقال ابن زيد كانوا قد أمروا بالصفح عن المشركين' فأسلم رجال ذو ومنعة فقالوا يا رسول الله لو أذن الله لنا لأ نتصرنا من هؤلاء الكلاب' فنزلت هذه الآية ثم نسخ ذلك بالجهاد(٧)

''ہمیں مشرکین سے عدم تعارض کا حکم دیا گیا تھا' مگر پھر مقابلہ کی طاقت رکھنے والے لوگ بھی اسلام لے آئے تو ہم نے عرض کی اے اللہ کے رسول ﷺ! اگر اللہ ہمیں اجازت دیتا تو ہم ان کتوں سے خوب بدلہ لیتے۔ تو اِس پر یہ آیت نازل ہوئی اور اس نے عدم تعارض کے حکم کو منسوخ کر دیا''۔

امام سیوطیؒ نے جہاد و قتال سے متعلق اُن تمام آیات کو جنہیں بطورِ ناسخ پیش کیا جاتا ہے' اپنی کتاب 'الاتقان فی علوم القرآن' میں ناسخ و منسوخ کی بحث کے تحت جمع کر دیا ہے۔ تفصیل کے لیے اس کتاب سے رجوع کیا جائے۔

یہ اور اس جیسے دیگر مقامات جو کتب تفسیر میں پائے جاتے ہیں' سے متعلق اس وضاحت کی ضرورت ہے کہ یہاں نسخ کے معنی وہ نہیں جو نسخ حقیقی کے ہیں' یعنی أن رفع الحكم بدليل شرعى ولا يجوز

امتثاله أبدًا (دلیل شرعی کی بنیاد پر کسی حکم کا ختم ہو جانا اور پھر اس پر عمل نہ کرنا) بلکہ حکم کے فی الحال معطل اور مؤخر ہونے کے ہیں۔ اور اسی رائے کو امام جلال الدین سیوطیؒ نے اختیار کیا ہے۔

اس بارے میں علامہ زرکشیؒ کا قولِ فیصل درج ذیل ہے:

وبهذا التحقيق تبين ضعفُ ما لهج به كثير من المفسرين في الآيات الامرة بالتخفيف إنها منسوخة بآية السيف' وليست كذلك بل هي من المنسأ بمعنى أن كل أمر ورد يجب امتثاله في وقت ما لعلّة توجب ذلك الحكم' ثم ينتقل بانتقال تلك العلّة الى آخر' وليس بنسخ إنما النسخ الازالة حتى لا يجوز امتثاله ابدًا وإلى هذا أشار الشافعي في "الرسالة" إلى النهي عن ادّخار لحوم الأضاحي من أجل الرأفة' ثم ورد الإذن فيه فلم يجعله منسوخا بل من باب زوال الحكم لزوال علّته وهو سبحانه و تعالىٰ حكيم أنزل على نبيه ﷺ حين ضعفه ما يليق بتلك الحال رأفة ورحمة' إذ لو وجب لاؤرث حرجا و مشقة' فلما أعز الله الاسلام وأظهره ونصره أنزل عليه من الخطاب ما يكافي تلك الحالة من مطالبة الكفار بالاسلام أو بأداء الجزية ان كانو أهل كتاب أو الاسلام أو القتل إن لم يكونوا أهل كتاب ويعود هذان الحكمان' اعني المسالمة عند الضعف والمسايفة عند القوة بعود سببهما' وليس حكم المسايفة ناسخًا لحكم المسالمة بل كلٌّ منهما يجب امتثاله في وقته[8]

''اور اِس تحقیق سے وہ ضعف واضح ہوتا ہے جو بہت سے مفسرین کو لاحق ہوا اُن آیات کے بارے میں جن میں بہت زیادہ تخفیف کا حکم ہے (یعنی صبر واستقامت اور عفو ودرگزر کا حکم ہے) کہ یہ تمام آیات منسوخ ہیں آیۃ السیف سے۔ جب کہ معاملہ ایسا نہیں ہے' بلکہ اوّل الذکر آیات منساء (مؤخر کردہ) کی قبیل سے ہیں' اس معنی میں کہ جو بھی حکم وارد ہوا ہے اُس کا پورا کرنا واجب ہے ایک خاص وقت میں جو علت ہے اُس حکم کے وجوب کی۔ پھر وجوب منتقل ہو جاتا ہے دوسرے حکم کی طرف علت کے منتقل ہونے کی وجہ سے۔ اور یہ ہرگز نسخ نہیں ہے' بلکہ نسخ تو وہ ہے جس پر ہمیشہ کے لیے عمل کرنا جائز نہ رہا ہو۔ امام شافعیؒ نے اپنی کتاب ''الرسالہ'' میں اس نکتہ کی طرف اشارہ کیا ہے کہ: حدیث میں جو قربانی کے گوشت کو ذخیرہ کرنے سے منع کیا گیا[9] تو وہ بسبب رأفت ہے۔ پھر ذخیرہ کرنے کی اجازت دے دی گئی تو یہ اجازت پہلے حکم کی ناسخ نہیں ہے' بلکہ اِس میں بھی وہی حکمت کارفرما ہے کہ علت کے زائل ہونے سے حکم بھی زائل ہو گیا۔ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ حکمت والے ہیں اِس لیے اپنے نبی ﷺ پر حالت ضعف میں وہ احکام نازل فرمائے جو اُس حال کے مطابق تھے' نرمی برتتے ہوئے رحمت کے ساتھ۔ اگر شروع ہی سے قتال کے احکام واجب کر دیے جاتے تو اِس سے شدید حرج اور مشقت لازم آتی۔ پھر جب اللہ نے اسلام کو عزت' نصرت اور غلبہ سے سرفراز

فرمایا تو آپ ﷺ پر وہ احکام نازل فرمائے جو اِس حال کے مطابق تھے۔ جیسے کفار سے اسلام کا مطالبہ (جزیرہ نمائے عرب کے کفار مراد ہیں) ورنہ اُن کا قتل کر دیا جانا' یا اگر اہل کتاب ہیں تو جزیہ کا مطالبہ۔ یہ دونوں حکم واپس آ سکتے ہیں سبب کے لوٹنے سے۔ یعنی امن (عدم جنگ) کا اختیار کرنا کمزوری کے وقت اور جنگ وقتال کا اختیار کرنا قوت و طاقت کے وقت۔ اور 'حکم المسایفة' (قتال و جنگ کا حکم) 'حکم المسالمة' (امن وعدم جنگ کے حکم) کے لیے ناسخ نہیں' بلکہ اُن میں سے ہر ایک کے علیحدہ علیحدہ اوقات میں عمل ہوگا''۔

پس ثابت ہوا کہ نسخ کا دعویٰ مکی منہج یعنی منہج دعوت کے لیے کسی طور پر بھی ثابت نہیں۔ احوالِ واقعہ یعنی معروضی حالات کی نسبت سے معاملہ مقدم اور مؤخر کا ہے نہ کہ ناسخ ومنسوخ کا۔ نہ منہج دعوت منسوخ ہے اور نہ منہج جہاد (جیسا کہ اس کے برعکس اکثر متجد دین کا زعمِ باطل ہے)۔ منہج جہاد وقتال بھی اپنی پوری شان و شوکت' جاہ وجلال' وقار وطمطراق کے ساتھ موجود ہے اور منہج جہاد وقتال کو ساقط یا منسوخ قرار دینے والا اور اس پر معذرت خواہانہ رویہ اختیار کرنے والا مغلوب ذہنیت کا حامل' حقائق کا منکر' اسلام کی تکمیلی شان سے ناواقف اور مارِ آستین ہے۔ مگر یہاں محل گفتگو یہ ہے کہ کون سا منہج کن حالات میں زیادہ مناسب للمطلوب' مؤثر' راجح' مقدم اور مقاصد شریعت کا زیادہ محافظ اور غلبہ واقامت دین کے لیے مبنی بر ہدف ہے۔ واللہ المُستعان! بقول شاعر: ؎

گر نہ بیند بروز شپرہَ چشم چشمہَ آفتاب را چہ گناہ؟

اور: ؎

منکراں چوں دیدہَ شرم و حیا برہم دہد تہمتِ آلودگی بر دامنِ مریم نہد!

ایک اشکال اور اُس کا حل

زیر نظر مضمون کا یہ بنیادی مقدمہ ہے کہ آج مسلمانوں میں کام کرنے والی تحریکاتِ اسلامیہ کے لیے رہنمائی کا اہم ترین ذریعہ نبی اکرم ﷺ کے مکی دور کا منہج ہے۔ ہمارے نزدیک یہی وہ بنیادی مقدمہ ہے جس کو تسلیم کر لینے سے اسلامی تحریکات جو غلبہ واقامت دین کے لیے مصروف کار ہیں' صحیح راہ پر گامزن رہیں گی اور منزل بہ منزل نفاذِ اسلام اور نظامِ خلافت سے قریب تر ہوتی چلی جائیں گی اور پھر اسلامی ریاست کے قیام کے بعد اُس کے تحت اور امامِ شرعی کی اقتداء میں کفّار کے خلاف قتال کو منظم کرنے کا مرحلہ بھی آئے گا (اِن شاءاللہ)۔

اس استدلال پر ایک اعتراض یہ وارد کیا جاتا ہے کہ اگر آج جدّوجہد کے لیے مکی دور کو نظیر ٹھہرایا جائے تو پھر وہ حلت وحرمت کی تفصیلات جو شریعت میں تدریجی مراحل سے گزرنے کے بعد اپنی حتمی شکل کو پہنچ چکی ہیں' درہم برہم ہو جائیں گی' شراب وسؤر کی حِلت وحرمت کا سوال اُٹھ کھڑا ہوگا۔ اِس اشکال کو

ایک معترض کی زبانی سنیے! ہم عبارت نقل کیے دیتے ہیں:

''جب جہاد کے حتمی احکامات نازل کیے جا چکے تو اب کسی کو یہ حق نہیں کہ موجودہ دور کو مکی دور کے مثل قرار دے کر جہاد کو معطل کر دے' کیونکہ اِس طرح تو آج شراب وسود کی عدم حرمت کا سوال بھی کھڑا ہو جائے گا کہ مکی دور میں یہ بھی حرام نہ تھے۔ جبکہ ہمارے سامنے اللہ کا یہ حکم موجود ہے: ﴿اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا﴾ (المائدۃ:۳)

''آج میں نے تمہارے لیے تمہارے دین کو مکمل کر دیا اور اپنی نعمت تم پر تمام کر دی اور تمہارے لیے اسلام کے دین ہونے پر میں رضامند ہو گیا''۔

الغرض ہمارے لیے شریعت کے حتمی احکام ہی حجت ہیں۔

یہ اعتراض خلطِ مبحث کے سوا کچھ نہیں۔ یہ ایک مُسلّمہ حقیقت ہے کہ کسی نظیر یا مثال کا سو فیصد انطباق نہیں ہوتا' بلکہ کسی نسبت سے اُس کا اطلاق ہوتا ہے اور کسی پہلو سے نہیں بھی ہوتا۔ اُسوۂ حسنہ کو سامنے رکھتے ہوئے موجودہ حالات کی رعایت کے ساتھ عمل کرنا مقصود ہوتا ہے اور یہ عقل عام کی بات ہے جس کے لیے کسی دلیل کی ضرورت نہیں۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَّمِنْهَاجًا﴾ (المائدۃ:۴۸)

''تم میں سے ہر ایک کے لیے ہم نے ایک شریعت دی اور ایک منہاج''۔

اِس آیت میں دو غور طلب الفاظ وارد ہوئے ہیں' ایک شریعت اور دوسرا منہاج۔ آیئے دیکھتے ہیں لغت میں اس کے معنی کیا ہیں' اِس آیت کی ماثور تفسیر کیا ہے اور سلف نے اِس سے کیا مراد لی ہے۔ اِس نقطے کی تفہیم سے اِن شاء اللہ محولہ بالا اشکال کا جواب بھی حاصل ہو جائے گا۔

لفظ ''الشِّرعة'' کے بارے میں علامہ آلوسی البغدادیؒ لکھتے ہیں:

'الشِّرعة' بكسر الشين' و قرأ يحيى بن ثاب بفتحها 'الشَّريعة' وهى فى الأصل الطريق الطاهر الذى يوصل منه إلى الماء والمراد بها الدين' واستعمالها فيه لكونه سبب موصلا إلى ما هو سبب للحياة الأبدية كما أن الماء سبب للحياة الفانية أو لأنه طريق إلى العمل الذى يطهر العامل عن الأوساخ المعنوية كما أن الشريعة طريق إلى الماء الذى يطهر مستعمله عن الأوساخ الحسية(۱۰)

''الشِّرعة شین کی زیر کے ساتھ ہے اور یحییٰ بن ثاب کی قراءت میں زبر کے ساتھ ہے۔ اور اِس کے اصلی معنی ہیں ایسا صاف طاہر راستہ جو پانی تک پہنچتا ہو اور اِس سے مراد دین ہے' اور اِس کا آیت میں استعمال ان معنی میں کیا گیا ہے کہ دین سبب ہے حیاتِ ابدی کا جیسا کہ پانی سبب ہے حیاتِ فانی کا۔ یا یہ کہ یہ وہ راستہ ہے جو عامل کو ایسے عمل کی طرف لے کر جاتا ہے جو اُسے معنوی

آلائشوں سے پاک کرتا ہے' جیسا کہ شریعت اُس راستہ کو کہتے ہیں جو ایسے پانی کی طرف لے کر جاتا ہے کہ اُس کا استعمال کرنے والا حسی آلائشوں سے پاک ہو جاتا ہے''۔

اب لفظ ''منہاج'' کے متعلق تفصیلات ملاحظہ ہوں:

''مِنْهَاجًا'' اسم آلہ مفرد ہے اور اس کا مطلب ہے کھلا ہوا راستہ' کشادہ راستہ' روش' نہج' منہج اور منہاج تینوں ہم معنی ہیں۔ نَهْجٌ باب فَتَحَ سے مصدر ہے اور مراد ہے راستہ کا کشادہ اور صاف ہونا اور اُس پر چلنا' کپڑے کا پرانا ہونا' کپڑے کو پرانا کرنا۔ اِس معنی میں باب سَمِعَ اور کَرُمَ سے بھی مستعمل ہے۔ انهاجٌ ''لازم'' بن کر بھی آتا ہے اور ''متعدی'' بھی۔ یعنی اس کا مطلب کشادہ راستہ ہونا بھی ہے اور راستہ کشادہ کرنا بھی۔(۱۱)

ملاحظہ کیجیے کہ ائمہ سلف نے اس آیت کی تفسیر میں اِن الفاظ کے شرعی معنی کیا بیان کیے ہیں۔ امام ابن جریر طبریؒ نے اس آیت کے ذیل میں کئی روایات جمع کی ہیں جن کے طرق مختلف ہیں مگر معنی میں اشتراک ہے۔ ہم یہاں ایک روایت نقل کرتے ہیں:

حدثنا ابن بشار ' قال ثنا عبدالرحمن بن مهدى ' قال ثنا مسعر عن ابى اسحاق عن التميحى ' عن ابن عباس: لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنكُمْ شِرْعَةً وَّمِنْهَاجًا قَالَ سُنَّةً وَ سَبِيْلًا(۱۲)

''.....حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ آیت ﴿لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنكُمْ شِرْعَةً وَّمِنْهَاجًا﴾ سے مراد سنت (یعنی شرعی طریقہ وحکم) اور سبیل (یعنی اس شرعی حکم اور طریقے پر چلنے کا رستہ) ہے''۔

معلوم ہوا کہ شریعت اور منہاج میں فرق ہے۔ یہ دونوں الفاظ الگ الگ مفاہیم کی ادائیگی کے لیے وارد ہوئے ہیں مگر یہ فرق ایک ہی حقیقت یعنی دین کے دو پہلوؤں کے اظہار کے اعتبار سے ہے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ نے اِس آیت کے ذیل میں کافی وشافی کلام فرمایا ہے جس سے مدعا واضح ہو جاتا ہے۔ وہ کہتے ہیں:

و(الحقيقة)حقيقة الدين' دين ربّ العالمين هى ما اتفق عليها أنبياء والمرسلون' وإن كان لكل منهم شرعة ومنهاج فالشرعة هى الشريعة قال الله تعالىٰ: ﴿ثُمَّ جَعَلْنٰكَ عَلٰى شَرِيْعَةٍ مِّنَ الْاَمْرِ فَاتَّبِعْهَا وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ﴿۱۸﴾ اِنَّهُمْ لَنْ يُّغْنُوْا عَنْكَ مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا ؕ وَاِنَّ الظّٰلِمِيْنَ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ۚ وَاللّٰهُ وَلِيُّ الْمُتَّقِيْنَ﴿۱۹﴾﴾ (الجاثية) ـ(والمنهاج) هو الطريق قال تعالىٰ: ﴿وَّاَنْ لَّوِ اسْتَقَامُوْا عَلَى الطَّرِيْقَةِ لَاَسْقَيْنٰهُمْ مَّآءً غَدَقًا﴿۱۶﴾ لِّنَفْتِنَهُمْ فِيْهِ ؕ وَمَنْ يُّعْرِضْ عَنْ ذِكْرِ رَبِّهٖ يَسْلُكْهُ عَذَابًا صَعَدًا﴿۱۷﴾﴾ (الجنّ) فالشرعة بمنزلة الشريعة والمنهاج هو الطريق الذين سلك فيه والغاية المقصود هى حقيقة الدين وهى عبادة الله وحده لا

شریک له وھی حقیقة دین الاسلام(۱۲)

''حقیقة سے مراد حقیقتِ دین ہے' یعنی اللہ ربّ العالمین کا دین۔ یہ وہ دین ہے جو تمام انبیاء اور رسولوں علیہم السلام کے درمیان متفق چلا آ رہا ہے باوجود اِس کے کہ اُن سب کے لیے شریعت اور منہاج علیحدہ علیحدہ تھے۔ پس 'الشرعة' سے مراد شریعت ہے' جیسا کہ فرمانِ باری ہے: '' پھر ہم نے رکھا آپ کو ایک شریعت پر اس کام میں تو اسی کی پیروی کیجیے' اور ہرگز نادان لوگوں کی خواہشات کی پیروی مت کیجیے۔ وہ کام نہ آئیں گے آپ کے اللہ کے سامنے کچھ بھی' اور بے شک ظالم تو ایک دوسرے کے دوست ہیں' اور اللہ دوست رکھتا ہے متقین کو''۔ اور 'منہاج' سے مراد ہے طریقہ کار' راستہ۔ جیسا کہ اللہ کا ارشاد ہے: ''اگر لوگ سیدھے طریقہ پر رہتے تو ہم اُنہیں پلاتے پانی بھر کر' تا کہ ہم اُن کو اس کے ذریعہ جانچیں۔ اور جو کوئی منہ موڑے اپنے ربّ کی یاد سے تو وہ اُس کو چلا دیتا ہے چڑھتے ہوئے عذاب میں''۔ پس شرعة سے مراد شریعت ہے اور منہاج سے مراد وہ طریقہ کار ہے جس پر چل کر غایت مقصود حاصل کیا جاتا ہے جو کہ حقیقت دین ہے اور یہ حقیقت اصلاً اللہ وحدہ لاشریک کی بندگی کا نام ہے''۔

اِسی طرح کئی اور مقامات پر امام ابن تیمیہؒ نے واضح کیا ہے کہ شریعت الگ ہے اور طریقہ کار الگ ہے۔ اور یہ تمام انبیاءؑ کے لیے مختلف رہی ہیں' مگر دین کی حقیقت جو کہ عبادتِ ربّ واحد ہے' وہ تمام انبیاء اور رُسلؑ کے مابین متفق رہی ہے۔ شریعت بحث کرتی ہے حلال وحرام سے' جائز وناجائز سے' اشیاءِ استعمال کے مستحب ومکروہ ہونے سے' جبکہ منہاج اُس طریقہ کار' اُس حکمتِ عملی' اُس راستہ اور منہج کو کہتے ہیں جس پر کاربند ہو کر اللہ کی بندگی' اظہارِ دین اور اعلاءِ کلمۃ اللہ کی جدوجہد کی جاتی ہے۔ یہاں پہنچ کر بات واضح ہو جاتی ہے کہ آج اقامتِ دین کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دیے گئے دو مراحلِ منہج میں سے کسی کے اختیار کرنے سے شریعت کے معطل ہونے کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ بے شک شریعت مکمل ہو چکی' جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿اَلۡیَوۡمَ اَکۡمَلۡتُ لَکُمۡ دِیۡنَکُمۡ وَاَتۡمَمۡتُ عَلَیۡکُمۡ نِعۡمَتِیۡ وَرَضِیۡتُ لَکُمُ الۡاِسۡلَامَ دِیۡنًا ؕ﴾

یعنی آج منہجِ نبویؐ کے مرحلۂ دعوت پر عمل کرنے کے باوجود شریعت کے حلال وحرام پر کوئی فرق واقع نہیں ہو گا۔ آج ہمارے لیے شریعت کے وہی احکام حجت ہیں جو تدریجی مراحل سے گزرنے کے بعد اپنی تکمیل کو پہنچ چکے ہیں۔ یہ بالکل دوسری بات ہے کہ آج شریعت کے بہت سے احکام پر ہمارے ہاں عمل نہیں۔ خاص طور پر شریعتِ اسلامی کا وہ حصہ جو ریاست سے متعلق ہے۔ جیسے نفاذِ حدود' نظامِ صلاۃ' نظامِ زکوۃ' کفار کے خلاف شرعی قتال یعنی جہاد فی سبیل اللہ کا قیام' امر بالمعروف ونہی عن المنکر بِالید' حرمتِ سود' کفار سے جزیہ کا مطالبہ وغیرہ۔ کوئی مانے یا نہ مانے تلخ حقیقت یہ ہے کہ آج ہم اپنے ربّ کے ان احکام پر اجتماعی طور پر عمل کرنے سے عاجز ہیں۔ اس کا تدارک صرف اسی طرح ممکن ہے کہ ہم اس فرمانِ حقیقت بیان کی روشنی

میں اسلامی ریاست کے قیام کی جدو جہد کریں۔ جیسا کہ حضرت امام مالکؒ نے فرمایا تھا کہ:

لَن یصلح آخر هذه الأمة الا بما صلح به أولها

اور منہج انقلابِ نبویؐ کی رو سے جدوجہد کی ترتیب میں مکی دَور مقدم ہے اور اسی کا ثمر ریاست مدینہ کے نام سے معروف ہے۔

نصوص سے غلط استدلال

یہ بات اپنی جگہ درست ہے کہ آج اصل اعتبار قرآن مجید سے استنباطِ احکام کے وقت عمومِ لفظی کا ہوگا نہ کہ سببِ خصوصی کا۔ **العبرة بعموم اللفظ لا بخصوص السبب**۔ مگر یہ قاعدہ احکامِ شریعت سے متعلق ہے نہ کہ استخراجِ منہج سے۔ استخراجِ منہج میں تو اصل اعتبار ترتیبِ نزولی کا ہے اور یہ بات اتنی سامنے کی ہے کہ اس کے لیے دلائل دینے کی ضرورت نہیں۔

آج ایک خاص طرح کے لٹریچر میں جہاں بہت سے اصولی اور علمی غلط مبحث پائے جاتے ہیں اُن میں سب سے خطرناک اور کثرت سے پائی جانے والی خامی نصوص کا بے موقع انطباق ہے۔ یعنی آیاتِ قرآنی، احادیث نبویؐ، فتاویٰ واقوالِ سلف کو سیاق وسباق، ظروف واحوال سے کاٹ کر یکسر بے محل پیش کیا جاتا ہے، جو کہ نتیجہ ہے اُس حد سے بڑھی ہوئی جذباتیت، انتقامی جذبات اور عالم کفر کی طرف سے ڈھائے جانے والے مسلسل ظلم وجبر کا، جس کے نتیجہ میں ہمارے یہ بھائی موجودہ پستی کی کیفیت سے باہر آنے اور غلبۂ اسلام کے لیے منہج وطریقہ کار پر سنجیدہ غور وفکر کے لیے تیار ہی نہیں۔ اور زبانِ حال سے کہہ رہے ہوتے ہیں: ع

مفاہمت نہ سکھا جبرِ ناروا سے مجھے　　میں سربکف ہوں لڑا دے کسی بلا سے مجھے!

اور:

نصیحتم چہ کنم ناصحا چہ میدانی　　کہ من نہ معتقدِ مردِ عافیت جوئیم

مگر یہ الزام درست نہیں، کیونکہ ہم مفاہمت یا عافیت جوئی کی تعلیم نہیں دے رہے، بلکہ احقاقِ حق اور ابطالِ باطل کی نبوی حکمتِ عملی کی طرف توجہ مبذول کروانا چاہتے ہیں۔

مفہوم اور مرادِ متکلم کے اخذ کرنے میں سیاق وسباق اور احوال وظروف کی حد درجہ اہمیت ہے۔ اس بات کا اندازہ ہم ایک سادہ سی مثال سے لگا سکتے ہیں۔ ایک شخص کہتا ہے ''پانی لاؤ''۔ اب اگر وہ شخص یہ جملہ کھانے کی میز پر ادا کرے گا تو آپ اُس کو پانی کا ایک گلاس لا دیں گے۔ اگر یہی جملہ غسل خانے سے کوئی پکار کر کہے تو آپ بالٹی بھر پانی کا اہتمام کریں گے اور اگر یہی جملہ کوئی وضو خانے میں کہے تو آپ اُسے پانی کا ایک ظرف فراہم کر دیں گے۔ غور طلب بات یہ ہے کہ جملہ ایک ہی ہے مگر محل ومقام کے بدلنے سے تعمیلِ حکم میں کتنا فرق واقع ہوتا ہے! اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ سیاق وسباق اور احوال و

ظروف اور مزاج و لہجے کا متکلم کی مراد کو سمجھنے میں کتنا حصہ ہے۔

۔یاق وسباق سے کاٹ کر نصوص کو پیش کرنے کے حوالے سے ہم ایک روایت کا تذکرہ کرتے ہیں۔ عصر حاضر کے جہادی لٹریچر میں آپ کو بخاری و مسلم سے مروی یہ حدیثِ نبویؐ جا بجا ملے گی:

((اَنَّ الْجَنَّةَ تَحْتَ ظِلَالِ السُّيُوْفِ)) (صحیح مسلم)

''جنت تلواروں کے سائے تلے ہے''۔

جبکہ حقیقت یہ ہے کہ یہ ایک روایت کا جزو ہے نہ کہ مکمل حدیث۔ اب آپ مکمل حدیثِ نبویؐ کا مطالعہ فرمائیں اور اندازہ لگائیں کہ سیاق وسباق کے ساتھ اِس حدیث کا کیا مفہوم ہے اور سیاق وسباق سے کاٹنے کے بعد اس کے معنی میں کیا فرق واقع ہوتا ہے۔ ارشادِ نبویؐ ہے:

((يَا اَيُّهَا النَّاسُ لَا تَتَمَنَّوْا لِقَاءَ الْعَدُوِّ وَاسْاَلُوا اللّٰهَ الْعَافِيَةَ فَاِذَا لَقِيْتُمُوْهُمْ فَاصْبِرُوْا وَاعْلَمُوْا اَنَّ الْجَنَّةَ تَحْتَ ظِلَالِ السُّيُوْفِ)) (۱۴)

''اے لوگو! دشمن سے لڑنے کی آرزو نہ کرو اور اللہ سے عافیت مانگو۔ پس جب لڑنے کی نوبت آ ہی جائے تو ڈٹ جاؤ (بھاگو نہیں) اور یہ جان رکھو کہ بہشت تلواروں کے سائے تلے ہے۔ (یعنی شہید ہوتے ہی داخل جنت ہوگے)''۔

اِس طرح کے لٹریچر کا ایک اور خاصہ یہ ہے کہ اِس میں ائمۂ سلف کے فتاویٰ کو اُن کے پورے استدلال سے کاٹ کر الگ اور بے محل پیش کیا جاتا ہے' بغیر اِس پر غور کیے کہ صاحبِ فتویٰ نے یہ فتویٰ کن حالات میں اور کن امور کو پیش نظر رکھتے ہوئے دیا تھا۔ اِس لیے ضروری ہے کہ فتوے کی شرعی حیثیت اور اُن عوامل کو دیکھ لیا جائے جن کا ایک مفتی فتویٰ دیتے وقت لحاظ رکھتا ہے۔ اِس سے یہ بات صاف واضح ہو جاتی ہے کہ اسلاف میں سے کسی کے فتویٰ سے منہج کے لیے دلیل پکڑنا درست نہیں' کیونکہ منہج کا تعلق اپنے زمانے کے خاص حالات سے ہوتا ہے۔ منہج کے تعین میں فیصلہ کن عامل کی حیثیت وقت کے عرف وعادت اور مصالح مرسلہ کو حاصل ہے۔ اسی لیے اہل علم کے ہاں مشہور ہے کہ: من لم يعرف اهل زمانه فهو جاهلٌ۔ کہ ''جو شخص اہل زمانہ کو نہیں جانتا وہ جاہل ہے''۔ اور عالم کی ایک صفت یہ بھی ہے کہ: ان يكون بصيرًا بزمانه کہ وہ اپنے زمانے کی بصیرت رکھتا ہو۔ علامہ شامی کا شعر ہے:

والعرف فی الشرع له اعتبار لذا عليه الحكم قد يدار

''عرف کا شریعت میں اعتبار ہے' اس لیے کہ اِس پر حکم کا مدار رکھا جاتا ہے''۔

دکتور عبدالکریم زیدان (استاذ الفقہ المقارن' جامعہ صنعاء) نے اپنی شاہکار تالیف ''اصول الدعوۃ'' میں باب نظام الافتاء کے تحت اِس موضوع پر عمدہ بحث کی ہے' جس کا خلاصہ یہ ہے کہ فتویٰ کا خاص تعلق احوال' امکنۃ' ازمنۃ' ظروف اور مستفتی کے حالات سے ہوتا ہے اور یہ فتویٰ اِن امور کے بدلنے سے بدلتا رہتا ہے۔ یعنی والفتویٰ قد تتغير بتغير المكان والزمان (۱۵) قواعد فقہ کی کتب میں یہ قاعدہ کلیہ مسلمہ

حیثیت کا حامل ہے کہ:

والحکم یدور مع العلة وجودًا و عدمًا۔ ''حکم کا مدار وجوداً اور عدماً علت پر رہے گا''۔

علامہ ابن عابدین الشامی ''عقود رسم المفتی'' میں رقم طراز ہیں:

إن کثیرًا من الاحکام التی نص علیه المجتهد صاحب المذهب بناء علی ما کان فی عرضه وزمانه قد تغیرت بتغیر الازمان بسبب فساد اهل الزمان أو عموم الضرورة کما قد مناه من افتاء المتأخرین(۱۶)

''یقیناً بہت سے احکام جن کی تصریح صاحب مذہب مجتہد نے اپنے عرف اور اپنے زمانہ کے احوال پر بنیاد رکھتے ہوئے کی تھی وہ زمانہ کے بدلنے کی وجہ سے بدل جاتے ہیں اور یہ تبدیلی یا تو لوگوں میں بگاڑ پیدا ہونے کی وجہ سے ہوتی ہے یا عموم ضرورت کا لحاظ پیش نظر ہوتا ہے' جیسا کہ ہم متأخرین کے فتاویٰ کے ذیل میں پہلے بیان کر چکے ہیں''۔

ان تصریحات سے جہاں یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ خاص حالات میں دیے گئے فتاویٰ سے منہج کے لیے آج استدلال کرنا درست نہیں' وہاں یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ آج مسلم ممالک میں ہر جگہ ایک ہی منہج کو اختیار کرنا بھی ضروری نہیں۔ جیسا کہ بعض ممالک براہِ راست کافر اور غیر ملکی افواج سے اپنی حریت و آزادی کی جنگ لڑ رہے ہیں تو ظاہر ہے کہ وہاں فوری ضرورت کے پیش نظر مرحلۂ دعوت کا التزام کارگر نہیں ہے۔

آخر میں ہم مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ کی وہ نصیحت نقل کرتے ہیں جو آپ نے بزبانِ عربی' عرب ممالک کے نوجوانوں کو حج کے موقع پر مکہ معظمہ میں ۱۳۸۲ھ میں فرمائی تھی۔ اس نصیحت کے ایک ایک حرف کو بغور پڑھنے کی ضرورت ہے۔ جب مولانا مرحوم نے یہ تقریر فرمائی تھی تو اُس وقت سے زیادہ شاید آج مسلمانوں کو اس رہنمائی کی ضرورت ہے۔ ہم اِس تقریر کا ایک جزو نقل کیے دیتے ہیں:

''اِس سلسلے میں اسلامی تحریک کے کارکنوں کو میری آخری نصیحت یہ ہے کہ انہیں خفیہ تحریکیں چلانے اور اسلحہ کے ذریعہ سے انقلاب برپا کرنے کی کوشش نہیں کرنی چاہیے(۱۷)۔ یہ بھی دراصل بے صبری اور جلد بازی کی ایک صورت ہے اور نتائج کے اعتبار سے دوسری صورتوں کی بہ نسبت زیادہ خراب ہے۔ ایک صحیح انقلاب ہمیشہ عوامی تحریک ہی کے ذریعہ برپا ہوتا ہے۔ کھلے بندوں عام دعوت پھیلایئے' بڑے پیمانے پر اذہان اور افکار کی اصلاح کیجیے' لوگوں کے خیالات بدلیے' اخلاق کے ہتھیاروں سے دلوں کو مسخر کیجیے۔ اِس طرح بتدریج جو انقلاب برپا ہوگا وہ ایسا پائیدار اور مستحکم ہوگا جسے مخالف طاقتوں کے ہوائی طوفان محو نہ کر سکیں گے۔ جلد بازی سے کام لے کر مصنوعی طریقوں سے اگر کوئی انقلاب رونما ہو بھی جائے تو جس راستے سے وہ آئے گا اسی راستے سے وہ مٹایا بھی جا سکے گا''(۱۸)

و آخر دعوانا ان الحمدللّٰہ رب العالمین و صلی اللّٰہ علی سیدنا محمد و آلہ و صحبہ اجمعین

حوالہ جات

۱) مناهل الفرقان فی علوم القرآن للشیخ محمد عبدالعظیم الزرقانی ۱۸۸/۱۔

۲) مناهل الفرقان ۲۵/۱۔

۳) احمد ۲۱۶/۱ الطبری ۶۴۳/۱۸، ۶۴۳/۶۱۸، ۶۴۴ والدر المنثور ۵۸/۶۔

۴) الطبری ۳۲۴/۱۸۔ ابن کثیر ۵۹۴۔

۵) البرهان فی علوم القرآن ۳۳/۲۔

۶) البرهان فی علوم القرآن ۴۲/۲۔

۷) الطبری ۳۲۴/۱۸۔

۸) البرهان فی علوم القرآن ۲/ ۴۲، ۴۳۔

۹) حدیث میں آتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے دیہاتی غرباء کی وجہ سے یہ حکم دیا تھا کہ : ((اِدَّخِرُوْا ثَلَاثًا ثُمَّ تَصَدَّقُوْا بِمَا بَقِیَ)) ''تین دن کا گوشت ذخیرہ کرلو اور باقی گوشت صدقہ کردو''۔ اس کے بعد لوگوں نے آ کر عرض کیا اے اللہ کے رسول ﷺ! لوگوں نے تو اپنی قربانی سے مشکیزے بنا لیے ہیں اور اُن میں چربی کی چکناہٹ مل رہے ہیں۔ تو آپؐ نے فرمایا پھر کیا ہوا؟ اس پر لوگوں نے آپ ﷺ کا گزشتہ حکم بیان کیا تو آپؐ نے فرمایا: ((اِنَّمَا نَهَیْتُکُمْ مِنْ اَجَلِ الرَّآفَةِ فَکُلُوْا وَادَّخِرُوْا وَتَصَدَّقُوْا)) ''میں نے تو صرف اُن آنے والے غرباء کی سہولت کی وجہ سے تمہیں منع کیا تھا۔ اب تم کھاؤ، ذخیرہ کرو اور صدقہ کرو''۔ مسلم: ۱۹۸۱۔ واحمد: ۵۱/۶۔ وابوداؤد ۲۸/۲۔ والنسائی ۲۳۵/۸۔

۱۰) تفسیر روح المعانی للعلامة شهاب الدین آلوسی البغدادی ص۱۵۳ ج ۶ آیت ۴۸ سورة المائدة۔

۱۱) تاج العروس، لغات القرآن جلد پنجم ص ۴۶۴۔

۱۲) رقم: ۹۴۶۷ ص ۳۳۶ المجلد الرابع جامع البیان عن تاویل آی القرآن للام ابن جریر طبریؒ۔

۱۳) مجموع الفتاوی للشیخ الاسلام ابن تیمیہؒ ۲۱۸/۱۱، ۲۱۹۔

۱۴) صحیح البخاری، کتاب الجهاد والسیر، باب کان النبی ﷺ اذا لم یقاتل اول النهار آخر القتال۔ وصحیح مسلم، کتاب الجهاد والسیر، باب کراهة تمنی لقاء العدو والامر بالصبر عند اللقاءِ۔

۱۵) اصول الدعوة لدکتور عبدالکریم زیدان، ص۱۲۹، ۱۸۰ بیروت۔

۱۶) عقود رسم المفتی لابن عابدین الشامی ص۳۸۔

۱۷) ظاہر ہے یہ ہدایت مولانا نے آج کے خاص حالات کے حوالے سے فرمائی ہے ورنہ اسلام میں مسلح کارروائی چند شرائط کے ساتھ کوئی ممنوع شے نہیں۔ (مضمون نگار)

۱۸) ماخوذ از تفہیمات حصہ سوم سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ ''دُنیائے اسلام میں اسلامی تحریکات کے لیے طریق کار''